نسیم سحر

مولانا نسیم احمد فریدی

نسیمِ سحر

(منتخب کلامِ نعت و مناقب وغیرہ)

(مولانا) نسیم احمد فریدی

مُرتّبہ
انیس احمد فاروقی

مقدمہ
پروفیسر نثار احمد فاروقی

بابا فرید ایجوکیشنل سوسائٹی (رجسٹرڈ) امروہہ
۱۴۲۳ھ/ ۲۰۰۲ء

NASEEM-E SAHAR
By : (Maulana)
NASEEM AHMED FARIDI
Published by:
BABA FARID EDUCATIONAL SOCIETY(RGD)
AMROHA (U.P.) PIN:244221
Tel:0091-11-5922-50435
E-Mail:faruqi @ vsnl. com

کتاب کا نام : نسیم سحر
مصنف : حضرت مولانا مفتی نسیم احمد فریدیؒ امروہوی
سالِ طباعت: ۱۴۲۳ھ / ۲۰۰۲ء
مطبع : Diamond Printers, New Delhi 110002
قیمت : Rs 200/-

ناشر :
بابا فرید ایجوکیشنل سوسائٹی (رجسٹرڈ)
جہندہ شہید، امروہہ ۲۴۴۲۲۱

تقسیم کار
اسلامک بک فاؤنڈیشن
۱۷۸۱، حوض سوئیوالان، دریا گنج، نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲

فہرست

انتساب

یہ کتاب حضرت مولانا مفتی نسیم احمد فریدی فاروقی علیہ الرحمۃ

کے مورثِ اعلیٰ

شیخ شیوخ العالم حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر

قدس اللہ سرہ العزیز

کے اسمِ گرامی سے معنون و منسوب کی جاتی ہے۔

حرفِ آغاز

حضرت مولانا نسیم احمد فریدیؒ کا جتنا منظوم کلام دریافت ہو سکا، اس کا مجموعہ اُن کے انتقال سے ۱۴ برس کے بعد منظرِ عام پر آرہا ہے۔

مولانا فریدیؒ اگرچہ ۱۱ سال کی عمر سے شعر کہنے لگے تھے، شعر و ادب کا نہایت شائستہ مذاق رکھتے تھے، مگر اُنھوں نے کبھی اپنا کلام بیاض میں محفوظ نہیں رکھا، صرف ایک چھوٹی سی ڈائری اُن کی ابتدائی عمر کی ملی، باقی کلام یا تو کسی گلدستے میں شائع ہوا، یا متفرق شکستہ و دریدہ پرچوں پر لکھا ہوا ملا۔ بینائی سے معذور ہو جانے کے بعد وہ کبھی تنہائی میں کوئی نعت یا منقبت کسی کاغذ پر لکھتے تھے تو دو دو تین تین سطریں ایک دوسرے پر چڑھ جاتی تھیں، جنھیں بعد میں حاضر الوقت کسی شخص سے نقل کراتے تھے، اِس میں کسی ایک ہی لفظ یا ذرا سے اشارے سے اُنھیں پورا شعر یاد آجاتا تھا۔ اُن کے انتقال کے بعد جو ایسے پُرزے ملے اُنھیں پڑھ لینا اِس کتاب کے مرتّب کا کمال ہے۔

"نسیمِ سحر" میں جتنا کلام شامل ہے اُس کی تلاش اور ترتیب تمام تر برادرِ عزیز انیس احمد فاروقی حفظہ اللہ کی دیدہ ریزی اور کئی برس کی محنت کا ثمرہ ہے۔ مولانا فریدیؒ کے لکھے ہوئے پرزوں اور پرچوں کے علاوہ مقامی مشاعروں اور منقبتی مشاعروں کی چھپی ہوئی رودادوں سے اُنھوں نے یہ اشعار جمع کیے ہیں۔ ابھی کچھ کلام رہ بھی گیا ہوگا، مگر جتنا محفوظ ہو سکا یہی ہمارے لیے سرمایۂ سعادت و افتخار ہے۔

اِس مجموعے کی کتابت عزیزم مصباح احمد صدیقی نے علی گڑھ میں اپنی نگرانی میں کرائی تھی۔ کتابت کے بعد دشوار گذار مرحلہ طباعت اور اُس کے مصارف کا تھا، اور مجھے سب سے پہلے مکتوباتِ حضرت شاہ ولی اللہ محدّث دہلویؒ (مترجمہ حضرت مولانا فریدیؒ) کی دو جلدیں

شائع کرائی تھیں۔ وہ حضرت مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی ؒ اور مولانا محمد کلیم صدّیقی مدظلہٗ کی توجہ سے شائع ہوگئیں۔ گذشتہ سال ماہِ رمضان سے قبل مولانا فریدی ؒ سے محبّت و عقیدت رکھنے والے امروہہ کے نوجوان شاعر، صحافی اور ادیب جناب نوؔر امروہوی تشریف لائے، جو اِن دنوں ٹیکساس (امریکہ) میں مقیم ہیں، وہاں ایک اخبار شائع کرنے کے علاوہ النُّور کے نام سے اپنا پرائیویٹ ریڈیو چینل بھی چلا رہے ہیں، جس کے پروگرام انٹرنیٹ پر بھی دیکھے جاسکتے ہیں، اُنھوں نے امروہے میں برادرِ عزیز انیس احمد فاروقی سے اور دہلی میں مجھ سے نہایت اصرار کے ساتھ اس خواہش کا اظہار کیا کہ مولانا فریدی ؒ کا کلام شائع کیا جائے، امریکہ واپس جاکر اُنھوں نے اشاعت کے لیے ایک معقول رقم بھی بھیج دی اِس طرح یہ کتاب نوؔر امروہوی کے جذبات عقیدت و محبّت کی ترجمان بن کر سامنے آگئی۔

اِس کی طباعت و اشاعت میں طبیب حاذق جناب حکیم شعیب اختر صدّیقی (صدر بابا فرید ایجوکیشنل سوسائٹی امروہہ)، مولانا محمد کلیم صدّیقی (ناظم جامعۃ الامام ولی اللہ پھلت) کا تعاون بھی ہمیں حاصل رہا ہے۔

جناب اکرام الدین اکرم فاروقی مرحوم (بانی سکریٹری بابا فرید ایجوکیشنل سوسائٹی)، جناب سیّد خورشید مصطفےٰ رضوی مرحوم، مصباح احمد صدیقی، افسر امروہوی، مولوی محب الحق اور دوسرے بہت سے مخلصین کے بھی ہم شکر گزار ہیں۔

اسلامک بک فاؤنڈیشن نئی دہلی نے اس کتاب کو نہایت اہتمام اور سلیقے سے چھاپنے کی ذمّہ داری لے کر ہمارے لیے بہت سہولت پیدا کر دی، اللہ تعالیٰ ان سب حضرات کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

[signature]

نثار احمد فاروقی

پوسٹ بکس نمبر ۹۷۲۳

جامعہ نگر، نئی دہلی ۱۱۰۰۲۵

۲۳ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۳ھ

۴۔ اگست ۲۰۰۲ء

گوہرِ یک دانہ

خاندان اور نسب

مسلمانانِ ہند کی روحانی ثقافت کی تاریخ میں حضرت بابا فریدالدین مسعود گنج شکر علیہ الرحمۃ کی شخصیت اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی تھی، اُن کی اولاد اور خلفاء کی تبلیغی اور اصلاحی کوششوں کے آثار آج بھی برِصغیر کے ہر کونے میں دیکھے جاسکتے ہیں۔ باباصاحبؒ کے پانچ صاحبزادے تھے: شیخ نصرالدّین نصراللہؒ، شیخ شہاب الدینؒ شیخ بدرالدّین سلیمانؒ، شیخ نظام الدین شہیدؒ اور خواجہ محمد یعقوبؒ۔

چوتھے فرزند شیخ نظام الدّین شہیدؒ کے بارے میں قدیم مآخذ کہتے ہیں کہ باباصاحبؒ اُنھیں اپنے سب فرزندوں سے زیادہ چاہتے تھے۔ وہ سپاہیانہ وضع رکھتے تھے۔ بلبن کی فوج میں ملازم تھے اور اپنی شجاعت کے سبب سے "حیدرِ ثانی" کہلاتے تھے۔ باباصاحبؒ کی خدمت میں بہت گستاخ تھے، یعنی جو جی میں آتی تھی کہہ دیتے تھے، اور باباصاحبؒ مسکرا کر سن لیتے تھے، اُن۔ سے رنجیدہ نہ ہوتے تھے۔ وہ نہایت ذہین وفطین اور معاملہ فہم

بھی تھے، جب باباصاحبؒ کا انتقال ہوا (۵ محرم ۶۶۴ھ/ ۱۲ اگست ۱۲۶۵ء) وہ اُس وقت پٹیالی میں تھے، وہاں خواب میں دیکھا کہ باباصاحبؒ بلاتے ہیں، فوراً روانہ ہو گئے، اجودھن (موجودہ پاک پٹن پاکستان) پہنچے تو شہر پناہ کے دروازے بند ہو چکے تھے، رات وہیں شہر سے باہر بسر کی، صبح کو دروازے کھلے تو ایک جنازہ آرہا تھا معلوم ہوا کہ گذشتہ شب حضرت باباصاحبؒ کا انتقال ہو گیا، اور اب اُنھیں مقابرِ شہیداں میں دفن کرنے لے جا رہے ہیں۔ حضرت شیخ نظام الدینؒ نے فرمایا اگر تم اِنھیں آبادی سے باہر دفن کروگے تو لوگ باہر باہر ہی فاتحہ پڑھ کر چلے جایا کریں گے، اُن کی اولاد کو کوئی نہ پوچھے گا۔ جس حجرے میں اُن کا انتقال ہوا ہے، وہیں لے کر چلو، چنانچہ وہیں دفن کیا گیا۔

حضرت نظام الدینؒ کے بارے میں دو روایات ہیں:
ایک تو یہ کہ اجودھن پر کفار (منگولوں) کا حملہ ہوا، اُنھوں نے بڑی بے جگری سے مقابلہ کیا اور لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔ بعد کو اُن کی لاش میدانِ جنگ میں بہت تلاش کی گئی، نہیں ملی۔ دوسری روایت یہ ہے کہ وہ قلعۂ رنتھمبور (موجودہ سوائی مادھوپور راجستھان) کو فتح کرتے ہوئے شہید ہوئے تھے اور وہیں قلعے کے اندر اُن کا مزار ہے۔ یہ روایت زیادہ قرینِ صحت ہے۔

حضرت نظام الدین شہیدؒ کے دو بیٹے تھے:
خواجہ عضد الدین المعروف بخواجہ ابراہیمؒ، اور خواجہ علی (یا خواجہ علی شیرؒ) خواجہ ابراہیمؒ کے پوتے خواجہ عزیز الدینؒ تھے، اُن کی والدہ مولفِ سیرالاولیاء امیر خورد کرمانی کی پھوپھی تھیں؛ اُن کی پرورش حضرت نظام الدین اولیاءؒ کی نگرانی میں دہلی میں ہوئی، انتقال کے بعد وہیں پائینِ مزار دفن ہوئے
خواجہ علی کے چار فرزند تھے:
شیخ سالارؒ، نورالدینؒ، شیخ یحییٰؒ اور شیخ خسروؒ۔ شیخ سالار کے پانچ بیٹے اور ایک بیٹی تھی: شیخ فخرالدینؒ، شیخ عالمؒ، شیخ خواجہؒ، شیخ مغیثؒ اور شیخ مجیرالدینؒ۔ آخر الذکر کی اولاد حصار (ہریانہ) میں آباد تھی۔ شیخ فخرالدینؒ کے فرزند شیخ بہاءالدینؒ اور اُن کے بیٹے شیخ ضیاءالدینؒ تھے جن کے بیٹے حاجی محمد موسیٰ رح ہوئے آخر الذکر تینوں بزرگوں کے مزار موضع رجب پور (ضلع امروہہ) میں ہیں۔

حاجی محمد موسیٰؒ کے تین فرزند تھے۔ شیخ منورؒ اور شیخ طاہرؒ اور شیخ لہرہؒ۔ شیخ منورؒ کے پوتے عبدالقادر کالپی میں جا بسے تھے۔ اُن کی اولاد میں حیدرآباد کے اُمرائے پائیگاہ (آسمان جاہ وغیرہ) کا خاندان ہے۔ شیخ طاہرؒ کے فرزند شیخ مجاہدؒ اُن کے شیخ صلاح اُن کے شیخ مظفرؒ اُن کے حاجی عبدالغفور امروہہ میں رہے، وہیں جانبِ غرب اُن کا مدفن ہے۔ حاجی عبدالغفورؒ کے بیٹے شیخ محمد معمورؒ تھے۔ یہاں تک سلسلۂ نسب کی تفصیل "جواہر فریدی" میں بھی درج ہے۔ مگر اس میں بعض نام چھوٹ گئے ہیں جو ہم نے یہاں درج کر دیے ہیں۔ شیخ محمد معمورؒ کے پانچ فرزند ہوئے چار سے نسل نہیں چلی صرف شیخ بدر عالمؒ کے بیٹے شہاب الدین اور اُن کے دو بیٹے محمد منیر اور محمد حارث ہوئے۔ شیخ محمد حارثؒ کے فرزند محمد عبدالغفور ثانی کے دو بیٹے تھے: محمد بخش عرف بساون اور شیخ اولاد محمدؒ، موخر الذکر کے تین بیٹوں میں صرف ابدال محمدؒ صاحب سے نسل چلی، اُن کے چار بیٹے ہوئے: محمد ارشاد علیؒ، بشیر احمدؒ، ولی محمدؒ اور حافظ نذیر احمدؒ (ف ۱۸۵۷ء)۔ مولوی ارشاد علیؒ (ف ۱۲۔ دسمبر ۱۹۰۰ء/ ۱۸ شعبان ۱۳۱۸ھ) نے انگریزوں کی حکومت میں مختلف عہدوں پر کام کیا۔ ۱۸۵۷ء میں وہ کرنل جارج ہملٹن کے ساتھ علاقۂ ملتان میں اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر اور سررشتہ دار وغیرہ رہے۔

مولوی بشیر احمد فریدیؒ[له] کے بارے میں مؤلف "تحقیق الانساب" نے لکھا ہے:

"ڈپٹی بشیر احمد صوبۂ پنجاب کے محکمۂ نہر میں ڈپٹی مجسٹریٹ رہے، بصلۂ خدمات حکومت سے دو مرتبہ خلعت و انعام پایا۔ ابتدائً ضلع میں ڈپٹی کلکٹر تھے، پابندِ مذہب و متبع شریعت تھے، حکامِ بالادست سے عرض کیا کہ مقدمات میں سود کی ڈگری دینا پڑتی ہے جو اپنے معتقداتِ مذہبی کی رُو سے جائز نہیں سمجھتا، میرا تبادلہ محکمۂ انہار میں کر دیا جائے۔ حکام نے سمجھایا کہ اُس محکمہ میں چار سو روپیہ ماہوار سے زیادہ ترقی نہ ہو سکے گی اور موجودہ صورت میں نو سو روپیہ ماہوار تک مشاہرہ پانے کا موقع ہے۔ مگر اُنھوں نے کم تنخواہ پر قانع رہنا منظور کیا، مگر سُود کی ڈگری دینی قبول نہ کی۔" (تحقیق الانساب ص ۲۸۸)

له ولادت ۹ رجمادی الاولیٰ ۱۲۵۱ھ (۲ ستمبر ۱۸۳۵ء) وفات ۵ ربیع الثانی ۱۳۳۳ھ مطابق ۲۰ فروری ۱۹۱۵ء

مولوی بشیر احمد کی اولاد میں زوجۂ اُولیٰ سے ایک فرزند مولوی حسین احمد تھے اور زوجۂ ثانیہ سے مولوی حسنین احمد۔ مولوی حسن احمد، طفیل احمد اور مولوی شبیر احمد ہوئے۔

مولوی حسین احمدؒ کی عمر زیادہ نہ ہوئی، اُن کی تعلیم لاہور، بہاولپور اور پنجاب کے دوسرے شہروں میں ہوئی تھی، پھر امروہہ میں اپنی زمینداری کا انتظام سنبھال لیا تھا، ایکبار موسم سرما میں گھوڑے کی سواری کرکے گاؤں سے آئے تو ڈبل نمونیا ہوگیا، اُسی میں واصلِ بحق ہوئے۔ مولوی حسین احمد مرحوم کے چار بیٹے اور دو بیٹیاں تھیں۔ تحسین احمد، تسلیم احمد، ابرار احمد فریدی (ف ۱۹۸۴ء) اور نسیم احمد فریدی۔ سارہ خاتون اور سیدہ خاتون۔ (متوفیہ ۵ راگست ۱۹۸۶ء)

یہی چوتھے بیٹے حضرت مولانا مفتی نسیم احمد فریدی قدس اللہ سرہ العزیز ہیں۔ تسلیم احمد راقم الحروف کے والد ماجد (متوفی ۴ رجنوری ۱۹۸۶ء) ہیں۔

ننھیال

مولانا فریدیؒ کا ننھیالی سلسلہ حضرت شاہ ابّن بدرِ چشتی علیہ الرحمۃ سے ملتا ہے، وہ حضرت شیخ علاؤالدین فیل مست کے خلیفہ تھے، آپ کا سلسلۂ طریقت بھی حضرت بابا فرید گنج شکر علیہ الرحمۃ تک منتہی ہوتا ہے۔ وہ آگرہ سے آکر امروہہ میں رونق افروز ہوئے تھے۔ مُلا عبدالقادر بدایونی صاحب "منتخب التواریخ"، اُن سے ملا ہے، اور اُن کی بزرگی کا تذکرہ اچھے الفاظ میں کرتا ہے۔ شاہ ابّن کا انتقال ۹۸۶ھ / ۱۵۸۰ء میں ہوا، امروہہ ریلوے اسٹیشن کے قریب اُن کا روضہ ہے اُسی میں وہ خاندانی قبرستان ہے جس میں حضرت مولانا فریدیؒ کے والدین اور دادا نیز دوسرے مرحوم افرادِ خاندان آسودہ ہیں۔

حضرت شاہ ابّن بدرِ چشتیؒ کی نسل اُن کے چھ بیٹوں سے چلی، اُن میں حضرت شاہ احمدؒ کی اولاد میں بڑے نامی طبیب اور علماء بھی گزرے ہیں۔ ریاست حیدرآباد کے پہلے افسر الاطبا حکیم احمد سعید اسی شاخ سے تھے۔ اِسی خاندان میں ایک جلیل القدر شخصیت حکیم نثار علیؒ کی تھی اُن کے چار فرزند ہوئے: حکیم ابنِ حسن (ف ۱۹۰۰ء) حکیم احمد حسن (۱۸۸۲ء) حکیم علی حسن اور نور الحسن حکیم ابن حسن کے لائق فرزند حکیم سید طفیل حسن (ف ۸ راپریل ۱۹۵۶ء) تھے جو ابوالنظر رضوی کے نام سے مضامین لکھا کرتے تھے۔ بڑے علم دوست اور صاحبِ نظر انسان تھے۔ حکیم احمد حسن حضرت مولانا نسیم احمد فریدیؒ کے نانا تھے۔

مولانا فریدیؒ کے والد ماجد کا انتقال ۱۹۱۴ء میں ہوگیا تھا، اس وقت مولانا فریدیؒ کی عمر تین سال اور چار ماہ سے زیادہ نہ تھی۔

ولادت

مولانا فریدی رح اپنے سب بھائی بہنوں سے چھوٹے تھے، اُن کی ولادت امروہہ میں ۶ رستمبر ۱۹۱۱ء مطابق ۱۲ ررمضان ۱۳۲۹ھ چہارشنبہ کو ہوئی۔ والد کے انتقال کے دو ماہ بعد فروری ۱۹۱۵ء میں دادا مولوی بشیر احمد کا بھی وصال ہوگیا۔ جائیداد کا نظم وضبط درہم برہم ہوگیا، اسی لیے ابتدائی زمانہ خاصی تنگی اور پریشانی میں گزرا۔ مولانا کے ماموں حکیم سیّد علی احمد رضوی مرحوم نے اپنی بہن اور بھانجوں کا خاص طور پر بہت خیال رکھا۔ اُن کے چھوٹے بیٹے حکیم سیّد سلطان احمد رضوی (متوفی ۱۸ راکتوبر ۱۹۸۳ء) جو بڑے حاذق طبیب ہوئے اور بازار نصراللہ خان رام پور میں اُن کا بہت کامیاب مطب تھا، مولانا فریدیؒ کے تقریباً ہم عمر تھے۔ دونوں کا کھیلنا اور لکھنا پڑھنا ساتھ ساتھ ہی تھا۔ پہلے پرائمری اسکول محلہ پیرزادہ میں داخلہ لیا یہاں سے مڈل اسکول میں منتقل ہوئے اور ہندی مڈل کا امتحان پاس کیا بچپن ہی سے مطالعے کا ذوق پیدا ہوگیا تھا مولانا فریدی رح نے ایک مضمون میں لکھا:

> "میری رسمی مکتب بھی نہیں ہوئی تھی، ممانی صاحبہ نے نازبرداری کے ساتھ ساتھ (اپنے) صاحبزادے کی تعلیم کا بھی خیال رکھا، ماموں صاحب بھی میرے اوپر خاص نظرِ عنایت رکھتے تھے۔ میں نے پان کھانا اُنھیں کے پاندان سے سیکھا، بچپن ہی میں شوقِ مطالعہ پیدا ہوا تو اُنھیں کے کتب خانے سے چند کتابیں دیکھیں، جن میں حضرت مولانا نانوتوی رح کی سوانح عمری بھی تھی جو حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ نے لکھی ہے۔ رموز الاطباء اور چند دیگر طبی اور ادبی کتابیں بھی دیکھیں۔"
>
> (دُرِ مقصود جلد ۰، ر ۱۹۸۶ء)

لڑکپن ہی سے مطالعہ کے علاوہ تصنیف وتالیف کا ذوق بھی پیدا ہوگیا تھا۔ اُس زمانے میں چند کتابوں سے اقتباسات وغیرہ جمع کر کے ایک رسالہ "مجمع البیان" کے نام سے

شائع بھی کیا تھا۔ بچپن ہی میں کھیل کے طور پر ایکبار انھوں نے اپنے ماموں زاد بھائی سلطان احمد صاحب کے ساتھ الیکشن لڑا تھا، اُس میں ہار گئے تو یہ خیال کیا کہ میں یتیم ہوں اور مفلس ہوں سلطان احمد کے باپ موجود ہیں اور کھاتے پیتے آدمی ہیں اِس لیے مجھے زیادہ ووٹ نہیں ملے طبیعت میں شروع ہی سے فقر و مسکنت عاجزی اور انکسار پیدا ہو گیا تھا۔

امروہہ کے محلّہ دانشمندان میں ایک مدرسہ نور المدارس تھا، مڈل پاس کرنے کے بعد (۱۹۲۷ء) وہاں جانا شروع کیا اور منشی، منشی کامل (۱۹۲۹ء) مولوی، اعلیٰ قابل وغیرہ مشرقی امتحانات اس مدرسہ میں پڑھ کر پاس کیے، اسی زمانے سے شعر گوئی بھی شروع کر دی تھی اور "امداد" تخلص اختیار کیا تھا۔ امروہہ میں ایک بزرگ منشی عزیز احمد عزیز امروہوی تھے اُن سے اپنے کلام پر اصلاح لی۔ عزیز صاحب کو مضطر خیرآبادی سے تلمذ تھا۔ یہ مدرسہ مقامی سیاست کا شکار ہو کر ۱۹۲۹ء / ۱۳۴۷ھ میں بند ہو گیا۔ منشی عبدالرب شکیب نے اس کے بند ہونے کی تاریخ "مرثیہ نور المدارس" (۱۳۴۷ھ) اور "مقہور مرتضیٰ حسین" (۱۹۲۹ء) سے نکالی تھی۔

منشی عبدالرب شکیب کی لیاقت فارسی زبان و ادب میں بہت اچھی تھی کبھی ریاست سروہی (راجستھان) میں ملازم تھے یہ نور المدارس میں بھی پڑھاتے تھے اُن سے فارسی کی کچھ کتابیں پڑھیں اور شاعری میں بھی مشورہ کیا اُنھوں نے تخلص بدل کر "فریدی" کر دیا۔

دیوبند میں فارسی کی تعلیم سے فراغت کے بعد مولانا فریدیؒ نے کچھ دنوں مدرسۂ عربیہ محلہ چلّہ میں درس بھی دیا، پھر مدرسۂ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ میں داخلہ لے لیا یہاں ان کے اساتذہ میں مولانا سید رضا حسن (برادر زادہ و داماد مولانا احمد حسن محدث امروہیؒ) مولانا انوار الحق عباسی اور حافظ عبدالرحمٰن صدیقی تھے۔ بیضاوی اور ترمذی تک امروہہ میں پڑھ کر فراغت کے لیے دیوبند تشریف لے گئے۔ دیوبند میں اُن کے اساتذہ تھے:

(۱) شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ۔
۲۔ شیخ الادب مولانا اعزاز علی امروہویؒ
۳۔ مولانا میاں اصغر حسن دیوبندیؒ۔
۴۔ مولانا مفتی محمد سہول بھاگلپوریؒ۔

۵ ۔ مولانا مفتی ریاض الدین افضل گڑھیؒ ۔

۶ ۔ مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ ۔

۷ ۔ مولانا محمد ابراہیم بلیاویؒ ۔

۸ ۔ قاری حفظ الرحمٰن پرتاپ گڈھیؒ ۔

مولانا فریدیؒ نے کتاب "مکتوباتِ اکابر" کے مقدمے میں لکھا ہے : "میرا قیام تعلیمی سلسلے میں دار العلوم کے اندر ۱۳۵۰ھ سے ۱۳۵۷ھ تک رہا۔" (ص ۹)

اُسی زمانے میں چند طلباء کے ساتھ دیوبند سے گنگوہ تک پیدل چل کر حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی خدمت میں بھی پہنچے تھے حضرت مولانا تھانویؒ بیعت وغیرہ کے لیے کسی طالب علم کی حوصلہ افزائی نہیں کرتے تھے اس لیے ان طالب علموں کو بھی جلدی رخصت کر دیا تھا ۔

لاہور کا سفر

لاہور میں حضرت مولانا احمد علی مفسر لاہوری کی مجلسِ درس قرآن کی بڑی شہرت تھی ، اُن کے درس سے استفادہ کرنے کے لیے ۱۹۳۶ء میں لاہور کا سفر کیا ، اور تین ماہ قیام کر کے تفسیر کا درس لیا ۔ قرآن کریم سے متعلّق مختلف موضوعات پر حضرت مولانا احمد علیؒ چھوٹے چھوٹے رسالے بھی شایع کیا کرتے تھے ۔ ایسے کئی درجن رسالے مولانا فریدی راقم الحروف کے لیے وہاں سے لے کر آئے تھے ، مگر میں اُس وقت بہت کم عمر تھا جب ان کو پڑھنے کا وقت آیا تو وہ سب ناپید ہو چکے تھے ۔

لاہور کے زمانۂ قیام میں شاعرِ مشرق علامہ اقبالؒ سے بھی ملاقات کی ، اور پھر لاہور سے دیوبند آ گئے ۔ دیوبند کے سبھی اساتذہ اُن سے محبت کرتے تھے ، مگر خصوصی تعلق حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ ، حضرت مولانا اعزاز علی اور میاں اصغر حسین صاحبؒ سے رہا ۔ مولانا اعزاز علی صاحب کی تالیف " نفحۃ العرب " کی طباعت بھی مولانا فریدیؒ نے دہلی آکر اپنی نگرانی میں کرائی تھی ۔

شیخ الادبؒ مولانا اعزاز علیؒ کا خط

۱۳۵۷ھ ۱۹۳۸ء میں دار العلوم دیوبند سے سندِ فراغت حاصل کی تو شیخ الادب مولانا اعزاز علی صاحب نے مولانا فریدیؒ کو یہ خط لکھا تھا ۔

عزیزِ مکرّم جناب مولوی نسیم احمد صاحب امروہوی زیدت معالیکم ۔

پس از سلام مسنون،

آپ علوم دینیہ عربیہ سے فارغ ہو چکے ہیں اور عن قریب آپ دارالعلوم سے رخصت ہوں گے، بنائً علیہ میرا دل چاہتا ہے کہ میں آپ کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کر دوں تاکہ اگر کسی ادارے کا کوئی کام آپ کے سپرد ہو تو اُس کے کارکنوں کو آپ کے متعلق صحیح اندازہ کرنے کا موقع ملے ۔

عزیزم، چونکہ آپ امروہہ کے باشندے ہیں اور یہی وطن میرا بھی ہے، اس لیے میں نے ان کئی سالوں میں آپ کے حرکات وسکنات، تحصیل علم میں تحمّل صعوبات، رفتار وگفتار پر پوری نظر رکھی ہے، کیونکہ میں متمنّی ہوں کہ امروہہ علماء وفضلاء سے خالی نہ رہے ۔ سو بحمد اللہ کہ بظاہر اسباب میری توقّع بے موقع نہیں ہے ۔ آپ نے نہ فقط تحصیل علم میں صعوبات کا تحمل کیا، بلکہ سادگی اور خوش اخلاقی سے اس طرح پر بسر کی کہ اساتذہ دارالعلوم دیوبند اور میں خصوصًا بہت زیادہ خوش رہا ۔ مجھ کو یقین ہے کہ آپ جس علمی ادارے میں انتظامی، تدریسی یا مالی کام کریں گے اُس کے ہر فریضے کو باحسن وجوہ انجام دینے میں بتوفیقِ اللہ وبعونہٖ کامیاب ہوں گے ۔

میں دعا گو ہوں کہ قادرِ مطلق آپ کو عمرِ دراز عطا فرما کر علمی اشاعت کی مخلصانہ توفیق دے اور اپنی مرضیات میں مصروف رکھے ۔

محمد اعزاز علی غُفرلہ مدرس دارالعلوم دیوبند

وممتحن درجۂ مولوی فاضل صوبۂ پنجاب وصوبۂ آسام ۔

۲۸ محرم ۱۳۵۷ھ و ۲۱ مارچ ۱۹۳۸ء یوم الخمیس

مولانا اعزاز علی نے اس خط میں ”تحمّل صعوبات،، کا ذکر کیا ہے ۔ وہ زمانہ بہت سی خانگی پریشانیوں کا تھا ۔ جایداد کی آمدنی محدود ہو گئی تھی اور مقدّمات کا سلسلہ پھیل گیا تھا مولانا کے برادرِ بزرگ مولوی تسلیم احمدؒ (راقم الحروف کے والد) ان مقدّمات میں اُلجھے ہوئے تھے، وہ کبھی مولانا فریدی رح کی مالی امداد کر پاتے تھے اور کبھی مجبور ہوتے تھے، اُس زمانے میں مولانا کے چچا مولوی شبیر احمد فریدیؒ (اللہ اُن کی تربت کو ٹھنڈا رکھے) پانچ روپیہ ماہوار بھیج دیا کرتے تھے

تو اس میں گزارا ہو جاتا تھا، صرف دو جوڑی کپڑے پاس تھے، اُن میں بھی خود پیوند لگا لیا کرتے تھے، مگر نہ کبھی کسی کے سامنے اپنی پریشانی اور تکلیف کا اظہار کیا، نہ کوئی حرفِ شکایت زبان پر لائے، نہ کسی طرح کی آسائش کی طرف آنکھ اُٹھا کر دیکھا، بلکہ زندگی کی راحتوں اور آسائشوں سے اُنھوں نے اپنا رشتہ ہمیشہ کے لیے ایسا منقطع کر لیا تھا کہ اسبابِ آسائش سے اُنھیں تکلیف محسوس ہوتی تھی ۔

مدرسہ اشفاقیہ بریلی میں تقرر دیو بند سے فراغت ہوئی تھی کہ بریلی کے مدرسہ اشفاقیہ میں ایک استاذ کی جگہ خالی ہوئی حضرت مولانا محمد منظور نعمانی کی جوہر شناس نگاہ مولانا فریدیؒ پر پڑی اور اُنھوں نے اِن کو بریلی بلا لیا ۱۹۳۸ء اُس وقت رسالہ " الفرقان " بھی بریلی سے شائع ہوتا تھا۔ اُس کا نہایت اہم اور شاندار " شاہ ولی اللہ نمبر " شائع ہوا تو اس میں بھی مولانا فریدیؒ نے بھرپور مدد دی اور مولانا نعمانی سے اپنے تعلقات کو ساری عمر ایسا نبھایا کہ اُس کی مثال مشکل سے مل سکے گی اُن کا قلم " الفرقان " کے لیے وقف ہو کر رہ گیا تھا، دوسرے رسالوں کو شاذ و نادر ہی کچھ مل جاتا تھا ورنہ آخر عمر تک " الفرقان " کا ہر شمارہ پڑھتے رہے۔ اس کا ایک ایک پرچہ محفوظ رکھا اور معذوری کے باوجود اُس کے لیے املا کرا کر مضامین لکھوا کر بھیجتے رہے ۔

بریلی سے استعفا اور اُس کے اسباب مولانا فریدیؒ کے سب سے بڑے بھائی تحسین احمد تقریباً بیس سال کی عمر میں مجذوب ہو گئے تھے، اس حال میں ستر (۷۰) برس سے زیادہ زندہ رہے۔ شروع زمانے میں تو صحرا کی طرف نکل جاتے تھے، اور کئی کئی دن گھر والے پریشان رہتے تھے۔ پھر وہ زمانہ آیا کہ گھر میں خاموش لیٹے رہتے تھے، اور بہت ہی کم کسی سے بات کرتے تھے۔ جذب اور گہرا ہوا تو لباس کا بھی ہوش نہ تھا اپنے کپڑے خود تار تار کرتے رہتے تھے کبھی بول و براز بھی کپڑوں ہی میں کر لیتے تھے۔ مگر عجیب بات یہ ہے کہ اُن کے قریب جا کر کبھی کسی کو بد بو کا احساس نہ ہوتا تھا، نہ وہ کبھی بیمار ہوئے نہ کوئی دوا استعمال کی، نہ غذا میں کسی طرح کی نفاست کا کوئی لحاظ تھا، مگر نوّے سال کی عمر میں بھی بچوں کی طرح بھاگ سکتے تھے۔ مولانا فریدیؒ نے ۴۵ سال تک اُن کے کھانے کپڑے کا

نہانے دھونے۔ اور دوسری ضروریات کا ایسا خیال رکھا کہ صرف یہی مجاہدہ کسی شخص کو ولایت و
قطبیت کے اعلا ترین مدارج تک پہنچانے کے لیے کافی ہو سکتا ہے۔ جب اُن کا انتقال ہوا تو مولانا
فریدیؒ علی گڑھ میں تھے۔ ایک دن صبح کی نماز کے بعد کہنے لگے میں امروہہ ابھی جاؤں گا۔ میزبان نے
کہا کہ اِس وقت رکشا نہیں ملے گا، تھوڑی دیر میں گاڑی آجائے وہ آپ کو اسٹیشن تک پہنچادے گی
فرمایا: ”نہیں شکیل احمد مجھے سائیکل پر بٹھا کر اسٹیشن پہنچادیں گے“۔ میزبان کو ناگوار ہوا ہوگا کہ یہ ایسی
ضد کرکے اور عجلت میں تکلیف اٹھاتے ہوئے جارہے ہیں، مگر اُن کے جانے کے بعد امروہہ سے
ٹیلیفون آیا کہ تحسین احمد صاحب کا انتقال ہوگیا ہے۔ بتایا گیا کہ مولانا فریدیؒ آج ہی روانہ ہوئے
ہیں۔ یہ امروہہ پہنچے تو اپنے بڑے بھائی کے پیروں سے لپٹ کر بچوں کی طرح روئے۔ فرمایا کرتے
تھے کہ میری والدہ (وفات ۱۹۳۲ء) بڑے بھائی کی وجہ سے مرتے دم تک بہت ہی غمزدہ تھیں۔
اور یہ سوچتی تھیں کہ ان کی زندگی کیسے گزرے گی!۔

بھائیوں کی خدمت

جائداد اب تھوڑی سی رہ گئی تھی، اور وہ بھی مقدمات میں اُلجھی ہوئی تھی،
گاؤں والوں کی اکثریت جاٹوں پر مشتمل تھی، اُنھوں نے یہ ستم کیا کہ ایک
رات کو دس بارہ جاٹ لاٹھیاں وغیرہ لے کر ڈیرے پر چڑھ آئے اور میرے والد مولوی تسلیم احمد پر
حملہ آور ہوئے۔ خدا جانے اُن کے دماغ پر کوئی شدید ضرب آئی، یا خوف کا غلبہ ہوا، وہ بدشواری تمام
وہاں سے نکلے اور اسٹیشن پہنچ کر ریل میں بیٹھ گئے۔ کئی دن تک ریل میں اِدھر اُدھر سفر کرتے
ہوئے اپنی بہن کے پاس میرٹھ پہنچ گئے۔ اُن کا دماغی توازن بھی اب صحیح نہ رہا تھا۔ یہ ۱۹۴۲ء کی
بات ہے اور ان کا انتقال ۴ر جنوری ۱۹۸۶ء کو ہوا۔ ۴۵ سال تک وہ اسی دیوانگی کی حالت
میں رہے میری عمر اُس وقت سات سال تھی، دوسرا بھائی چار سال کا، اور چھوٹا ایک ڈیڑھ سال کا
تھا۔ جایداد کا اب دیکھنے والا کوئی نہ رہا، آمدنی مسدود ہوگئی، اور مسائل کے پہاڑ سامنے تھے مولانا
فریدیؒ اپنی بریلی کی ملازمت سے استعفا دے کر امروہہ آگئے تاکہ اپنے دو فاترالعقل بھائیوں اور
تین کم سن بھتیجوں کی دیکھ بھال کرسکیں۔ اگر وہ کوئی امیر یا دنیوی وسائل رکھنے والے انسان ہوتے
تو اتنی اچنبھے کی بات شاید نہ ہوتی، لیکن اب یہ سوچ کر حیرت ہوتی ہے کہ اُنھوں نے جس محبت اور
شفقت سے ہماری پرورش کی، اُس میں سوائے غیر معمولی مومنانہ صفات کے اور کوئی سرمایہ نہ تھا

یہ کہا جا سکتا ہے کہ اُنھوں نے اپنے بھائیوں اور بھتیجوں کے لیے خود کو فنا کر دیا۔ اسی لیے خود ساری عمر مجرد رہے کہ اپنا گھر بسا کر وہ شاید ہماری دیکھ بھال نہ کر سکیں۔ ہمارے لیے اُن کی بے پایاں شفقت اور دردمندی کا اندازہ کرنے کو صرف ایک ہی مثال کافی ہے۔ ۱۹۴۶ء میں مجھے ماموں صاحب مرحوم حیدرآباد لے گئے تھے وہاں مجھے تپ لرزہ کی شکایت ہوگئی جس سے گھبرا کر میں اگست ۱۹۴۷ء کے آخری ہفتہ میں کسی کو اطلاع دیے بغیر چلا آیا۔ والد صاحب اُس زمانے میں حسن پور میں تھے میں گجرولہ کے اسٹیشن پر اُتر کر اُن کے پاس چلا گیا۔ امروہہ اور حیدرآباد میں سب میری گم شدگی سے پریشان تھے، دہلی میں فسادات شروع ہو چکے تھے اس لیے اور بھی اندیشے بڑھ گئے تھے۔ مولانا فریدیؒ امروہہ میں کسی بزرگ سے دعا کرانے جا رہے تھے جو محلّہ چلّہ میں ٹھہرے ہوئے تھے اُنھیں راستے میں کوئی صاحب ملے اور دریافت کیا کہاں جا رہے ہیں؟ تو مولانا نے فرمایا کہ میرا بھتیجا حیدرآباد سے غائب ہو گیا ہے اُس کے لیے فلاں سے دعا کرانے جا رہا ہوں۔ اُنھوں نے کہا کہ آپ کا ایک بھتیجا تو حسن پور میں ہے، اور میرا حلیہ بتایا۔ اُس وقت شاید مولانا فریدیؒ کے پاس کرائے کے پیسے بھی نہ ہوں گے محلّہ چلّہ سے پیدل ہی حسن پور کی طرف روانہ ہو گئے جس کا فاصلہ تقریباً ۲۵ میل ہے وہاں مجھے دیکھ کر اطمینان ہوا اور اپنے ساتھ امروہہ لے کر آئے میں نہیں سمجھتا کہ اس قربانی اور ایثار کی کوئی دوسری مثال مل سکتی ہے۔ اُسی زمانے میں مظفر نگر کے علاقے میں وہ کسی بزرگ کی خدمت میں گئے اور اُن سے کہا کہ میرے ایک بھائی دیوانے ہو گئے ہیں، اُن کی صحت یابی کے لیے دعا کر دیجیے۔ اُن بزرگ نے جواب دیا کہ: "حضرت بابا فریدؒ نے ایک دنیا کو اپنا دیوانہ بنا رکھا ہے، اگر اُن کی اولاد میں بھی ایک دیوانہ ہو گیا تو کیا ہوا!" یہ واقعہ سنا کر مولانا فریدیؒ مسکرائے اور فرمایا "دیکھو اُنھوں نے کیسا جواب دیا"

مدرسہ جامع مسجد میں

۱۹۴۷ء سے اُنھوں نے مدرسہ جامع مسجد امروہہ میں بطور مدرّس ملازمت کر لی یہ مدرسہ حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ کے شاگرد رشید مولانا احمد حسن محدّث علیہ الرحمہ (متوفّی ۱۳۳۰ھ) کا قائم کیا ہوا ہے، اُس کی مالی حالت اُن دنوں زیادہ مضبوط نہ تھی، عام اسلامی مدارس کی طرح عطیات ہی سے چلتا تھا۔ ۱۹۴۷ء کے بعد ایک دو سال تو بہت تنگی ترشی کے گزرے مولانا فریدیؒ کی تنخواہ شاید ۱۵ روپیہ ماہوار شروع

میں تھی، جب اضافے کا موقع آتا تھا تو وہ فرما دیتے تھے کہ میری تنخواہ کافی ہے اضافے کی ضرورت نہیں۔ دفترِ اہتمام نے خود ہی کبھی اضافہ کر دیا تو کر دیا۔ جب مدرسے میں عطیات آتے اور تنخواہیں تقسیم ہوتیں مولانا فریدیؒ چاہتے تھے کہ پہلے دوسرے اساتذہ کو تنخواہیں دے دی جائیں، گنجائش ہو تو پھر ان کو بھی دی جائے۔ عموماً وہ اپنی مختصر سی تنخواہ بھی قسطوں میں وصول کرتے تھے، کبھی دس روپے طلب کر لیے، کبھی پانچ روپے لے لیے۔ تاکہ مدرسہ کے دوسرے خرچ بھی پورے ہوتے رہیں۔ وہ اکثر اپنے عزیزوں، ملنے والوں اور عقیدت مندوں سے بھی مدرسے کی امداد کراتے رہتے تھے، ایک بار دفترِ اہتمام نے ان سے درخواست کی کہ وہ مدرسہ کے لیے سفیر بن کر چلے جائیں انھوں نے بھی حالات دیکھ کر منظور کر لیا۔ عطیات میں مصارفِ سفر کے علاوہ بھی سفراء کا "حقِ معلوم" ہوتا ہے، مولانا فریدیؒ نے جو کچھ عطیات وصول کیے وہ سب پائی پائی لا کر دفتر میں جمع کر دی، اپنا حق بھی نہیں لیا، اور مصارفِ سفر بھی خود ہی برداشت کیے، مگر آیندہ کے لیے معذرت کر لی۔

دینی مدارس سے متعلق طلبہ سے اور اسلامی مدارس سے اُنھیں جو تعلق تھا اسے بے تکلف "عشق" کہا جا سکتا ہے۔ طالب علم کی نہایت قدر اور عزت کرتے تھے، اور اسے ہر آرام پہنچانے کی سعی کرتے تھے۔ اپنے ساتھ کھانا کھلاتے، چائے پلاتے، حد یہ ہے کہ اطباء اُن کے لیے کوئی خوش ذائقہ خمیرہ یا شربت بنا کر بھیجتے تو استعمال کے وقت جو طالب علم موجود ہوتا ایک خوراک اُس کو بھی چکھا دیتے تھے۔ شعبان میں سالانہ امتحان سے پہلے طلبہ کو مسجد میں اضافی درس دیتے تھے، اور یہ برسوں معمول رہا۔ تمام شمالی ہندوستان کے دینی مدارس اور مکاتب کے سُفراء کے لیے اُن کی مسجد ایک ہیڈ کوارٹر بنی ہوئی تھی ہر مدرسے کو خود بھی عطیہ دیتے تھے اور شہر کے ذی استطاعت حضرات سے بھی دلاتے تھے، صرف اُن کے توسط سے ہزاروں روپیہ دوسرے مدارس میں بھی بطور عطیہ پہنچتا تھا۔

منصبِ افتاء مدرسہ جامع مسجد میں جب تک درس دیتے رہے افتاء کا منصب بھی اُن کے پاس تھا، جتنے فتوے طلب کیے جاتے تھے، سب کا جواب انتہائی حزم و احتیاط کے ساتھ اور ضرورت ہو تو کئی کئی کتابیں دیکھ کر اور غور و فکر کر کے لکھتے تھے۔ اُن کا حساب اچھا تھا، اِس لیے فرائض کا کام بھی وہی انجام دیتے تھے شہر اور مضافات کے سب

لوگ اُن کے فتوے کا بہت احترام کرتے تھے۔ اس لیے کہ سب جانتے تھے یہ بے نفس، بے لوث اور کھرے انسان ہیں، کسی سے لگی لپٹی نہیں رکھتے۔ شاید کسی ہائی کورٹ کے جج نے بھی اتنے مقدمات کا فیصلہ نہ کیا ہوگا جتنے مقدمات و مسائل مولانا فریدیؒ نے مسجد کی چٹائی پر بیٹھ کر نمٹا دیے، دونوں فریق لڑتے ہوئے کف دَر دہاں آتے تھے مولانا فریدیؒ پہلے ایک کو بُلاتے اُس کی پوری کتھا ایسی توجہ اور دلچسپی سے سنتے جیسے اُنھیں اس کے ساتھ پوری ہمدردی ہے، پھر اسے رخصت کرکے دوسرے فریق کو بلاتے اور اُس سے بھی ساری کتھا سنتے تھے، دونوں کے بیانوں اور ثبوتوں کی روشنی میں مسئلے کی حقیقت واضح ہو جاتی تھی اور اُن کے فیصلے عموماً دونوں فریق خوش دلی سے قبول کر لیتے تھے۔ خدا جانے کتنے گھر اُنھوں نے بسا دیے، کتنے مسلمانوں کو عدالت میں گھسٹنے سے بچا لیا اور کتنے خاندانوں کی پرانی عداوتوں کو ہمیشہ کے لیے دفن کرا دیا۔ امروہہ کے عوام میں ایک اصطلاح تھی کہ "اچھا تو یہ فیصلہ اب سپریم کورٹ میں ہوگا"، اور اِس سے مُراد مولانا فریدیؒ کی عدالت ہوتی تھی۔ امروہہ میں بہت سے علما ہوئے ہیں اور اپنے اپنے میدانوں میں سب کے کارنامے منفرد ہیں، مگر مولانا فریدیؒ کی نظیر ملنا دشوار ہے، ایک تو یہ کہ وہ صرف قلم کے دھنی نہیں تھے محض زبانی وعظ بھی نہیں کرتے تھے، سراپا حرکت و عمل تھے اور اپنی معذوری کے باوجود ایسے ایسے کوردہ میں چلے جاتے تھے جہاں کوئی جانا پسند نہ کرے گا۔ عوام کے ہر طبقے میں اُن کی مقبولیت یکساں تھی۔ بالکل بے پڑھے لکھے گنوار اور رگندہَ ناتراش لوگوں سے بھی وہ اس طرح ملتے تھے کہ اپنے علم و فضل یا بزرگی یا شہرت یا کسی اور طرح کی برتری کا اظہار کیا شائبہ بھی نہ ہوتا تھا۔

بے نفسی اور سادگی

مولانا فریدیؒ بے نفسی اور فنائیت کی سچی تصویر تھے۔ لباس میں، کھانے پینے میں کسی چیز میں کسی طرح کا تکلّف یا اہتمام نہ تھا۔ اکثر صرف کرتے اور تہبند میں ہی شہر اور دیہات کے گشت پر چلے جاتے تھے، ورنہ ایک کرتہ اور ایک پاجامہ، ایک ٹوپی اور ایک جوڑی چپّل اُن کی کل کائنات تھی۔ لباس میں اکثر پیوند بھی لگا لیا کرتے تھے، اُنھیں اس سے غرض نہ تھی کہ یہ پیوند بھدّا لگے گا یا کپڑا دوسری قسم کا ہے۔ اکثر میری والدہ یا پھوپھی مرحومہ اُن کے لیے ایک دو جوڑے کپڑے سی کر بھیج دیتی تھیں اگر اُن کے پاس جو لباس ہے وہ اس لائق ہوتا تھا کہ دس پندرہ دن اور چل جائے گا، تو نیا جوڑا کسی ضرورت مند کو، عموماً کسی طالبعلم

کو دے دیتے تھے۔ اُن کے سامان میں ایسا کوئی بکس یا صندوق نہ تھا جسے "کپڑوں کا صندوق" کہا جا سکے۔ جو صندوق تھے اُن میں بھی کاغذ اور کتابیں رکھی ہوئی تھیں۔ انسان کو روزمرّہ کی ضرورت کے لیے بیسیوں اشیاء درکار رہیں، اُن کے سامان میں نہ کوئی برتن تھا، نہ بستر تھا، بس وضو اور طہارت کے لیے دو لوٹے تھے۔ مسجد کی چٹائی ہی اُن کا بستر تھا گرمیوں میں فرش کو پانی ڈال کر ٹھنڈا کر لیا جاتا تھا، جاڑوں میں ایک گدا اپنے نیچے بچھا لیتے تھے، ایک چھوٹا سا گاؤ تکیہ تھا اس پر سر رکھ کر لیٹ رہتے تھے۔ پچھلے پہر رات کو اُٹھ کر وضو کر کے تہجد پڑھتے تھے، پھر کچھ ذکر و شغل ہوتا تھا، فجر کی نماز کے بعد تھوڑی دیر کے لیے سو جاتے تھے۔ آٹھ بجے کے قریب ناشتہ کرتے تھے، عموماً باسی روٹی کھا لیتے تھے، کبھی بسکٹ اور چائے بازار سے منگا کر خود بھی ناشتہ کرتے اور حاضر الوقت حضرات کی ضیافت بھی اُسی سے ہو جاتی تھی۔

خالص ترک

حضرت نظام الدین اولیاءؒ نے فرمایا کہ "مجھے پہلے بھی دنیا جمع کرنے کی رغبت نہ تھی اور پھر میرا پیوند ایسی جگہ ہوا کہ بابا صاحبؒ کی نظر میں دونوں عالم ہیچ تھے، خالص ترک تھا"۔ اس "خالص ترک،، کا مفہوم مولانا فریدیؒ کو دیکھ کر سمجھ میں آسکتا ہے، وہ ترک و تجرید تفرید کا ایک نادرِ روزگار نمونہ تھے۔ حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کا بھی یہ حال تھا کہ کبھی کئی کئی وقت فاقہ ہو جاتا تھا، اور کریر کے پھل اُبال کر کھائے جاتے تو اُن میں نمک بھی نہ ہوتا تھا، مگر داد و دہش کا یہ عالم تھا کہ جو بھی اُن کی خانقاہ میں آتا تھا اُسے کچھ نہ کچھ ضرور دیا جاتا تھا۔ مولانا فریدیؒ کا بھی ایسا ہی معاملہ تھا، کتنی بیوائیں اور غریب لوگ اور طالب علم ایسے تھے جن کی وہ برابر مدد کرتے تھے اور دوسروں سے بھی اُن کو کچھ نہ کچھ دلاتے رہتے تھے۔ ایک بڑے نامی گرامی خاندان کی بیوہ تھیں جن کے حالات اب ناگفتہ بہ ہو گئے تھے وہ اپنا حال مولانا فریدیؒ کو لکھا کرتی تھیں، اور یہ پابندی سے اُن کو کچھ نہ کچھ بھیجتے تھے۔ انتقال سے چند روز قبل بھی اُن کو منی آرڈر بھجوایا۔ جو طالب علم امروہہ سے فارغ ہو کر جا چکے تھے اُن کی بھی خیر و خبر رکھتے تھے اور اُن میں سے جس کی حالت خستہ ہوتی تھی اُسے منی آرڈر سے کچھ روپیہ بھیجتے رہتے تھے۔ مولانا کے ایک عزیز نے اُن کے مرض الموت کے زمانے میں پانچ سو روپے بطور نذر بھیجے۔ وہ اُنھوں نے چند پرانے طالب علموں کو بھجوا دیے۔ غالباً یہ خیال کیا کہ میرے انتقال کی اطلاع پا کر وہ امروہہ آنے کو تڑپیں گے اور تنگ دستی کی وجہ سے آ نہ سکیں گے۔

غنائے نفس قناعت اور توکل اور غنائے نفس کا مفہوم بھی مولانا فریدیؒ کی ذات میں مجسم ہو گیا تھا، اُنھیں کبھی کسی چیز کی خواہش کرتے ہوئے نہیں دیکھا گیا۔ نہ کسی چیز کے نہ ہونے پر مغموم پایا گیا، پیسہ اگر پاس ہوا تو کبھی ایک لمحے کے لیے یہ خیال نہ کرتے تھے کہ اس کی ضرورت کل کو بھی ہو سکتی ہے۔ صرف ایک مد ایسی تھی جس کے لیے بعض اوقات کسی سے قرض بھی لے لیتے تھے، یعنی کتابوں کی خریداری پر اپنی حیثیت اور مالی استطاعت سے زیادہ خرچ کرتے تھے، جس زمانے میں مدرسہ جامع مسجد میں درس دیتے تھے دوپہر کو کھانا کھانے کے لیے میری والدہ کے پاس محلہ قریشیان میں آتے تھے، راستے میں ایک دو دکانیں پڑتی تھیں جن پر کبھی کوئی پرانی کتاب بھی نظر آجاتی تھی جیب میں جو دو چار روپے ہوتے تھے وہ دے کر کوئی نہ کوئی کتاب لیے ہوئے آتے تھے پیسے نہ ہوئے تو قرض لے لیتے تھے۔ میرے نانا حضرت شاہ سلیمان احمد چشتی علیہ الرحمۃ (سجادہ نشین پنجم حضرت شاہ عبدالہادی و خواجہ شاہ عبدالباری قدس سرہما) کے کتب خانے کی بہت سی کتابیں چوری ہو گئیں، اور اُن میں سے بعض کتابیں مولانا فریدیؒ کو ردی میں یا کباڑیوں میں ملیں تو خرید کر لاتے اور نانا صاحبؒ کو دے دیتے تھے۔

کتابوں سے عشق محلّے کے ایک بچّے کو جو یتیم تھا اور دماغی طور پر ماؤف، یہ سنک تھی کہ کتابوں کو ضائع کرتا تھا۔ مولانا فریدیؒ جب اپنے گھر میں طہارت کے لیے یا کسی اور ضرورت سے داخل ہوتے تو یہ اُن کے پیچھے دبے پاؤں چپکے سے گھر میں آکر بند ہو جاتا تھا اور کتابیں اُٹھا کر چھت پر لے جاتا، وہاں بیٹھا اُنھیں پھاڑتا رہتا تھا، اس طرح اُس نے بہت سی نادر کتابیں تباہ کر دیں۔ مولانا فریدیؒ کو اگر دنیا میں کسی چیز سے واقعی اور گہرا تعلق تھا تو کتابوں ہی سے تھا، اُنھیں اس کا کتنا صدمہ ہوا ہوگا اِس کا اندازہ بھی نہیں کیا جا سکتا مگر صرف اس لیے برداشت کر لیتے تھے کہ وہ معذور ہے اور یتیم ہے۔

اِسی طرح اُنھوں نے اپنی کتابیں دوسروں کو پڑھنے کے لیے دیں تو بہت سے لوگوں نے واپس نہ کیں، مگر وہ کسی بھی موضوع پر کام کرنے والوں کی ہر طرح امداد کرتے تھے اور اپنے پاس جو کچھ مواد ہوتا تھا وہ اُس کے حوالے کر دیتے تھے۔

جب تک بینائی نے ساتھ دیا وہ عشا کی نماز کے بعد لالٹین سرہانے رکھ کر اُس

ذوق مطالعہ

کی مدھم روشنی میں دیر تک مطالعہ کیا کرتے تھے اِسی سبب سے بینائی کمزور ہوگئی گئی۔ انھیں رتوندہ بچپن سے آتا تھا، اس کا سبب یہ کہ بچپن میں غذا بھرپور نہیں ملی وٹامن اے کی کمی رہ گئی۔ رات کو لالٹین یا ٹارچ ہاتھ میں لے کر چلا کرتے تھے۔ ۱۹۷۳ء میں علی گڑھ جاکر ایک آنکھ کا آپریشن کروایا۔ وہ ناکام ہوگیا۔ ناکامی کے تین اسباب تھے:

ایک تو جن لوگوں کو رتوندہ آتا ہے اُن کا آپریشن دشوار ہوتا ہے اور بہت زیادہ احتیاط کی ضرورت پڑتی ہے دوسرے مولانا نماز نہیں چھوڑ سکتے تھے۔ سجدے کی حالت میں دورانِ خون آنکھوں کی طرف ہوجاتا ہے آپریشن کے بعد یہ بات سخت مُضر ہے، مگر اُنھوں نے اس کی بھی پروا نہیں کی حسبِ معمول اپنے ربّ کے حضور میں سجدہ ریزی کرتے رہے۔ تیسرے یہ کہ ڈاکٹر نے سختی سے منع کر دیا تھا کہ وہ کچھ نہ پڑھیں، ورنہ آپریشن خراب ہوجائے گا مگر مولانا فریدیؒ بغیر مطالعہ کیے نہیں رہ سکتے تھے، ایک بار دیکھا گیا کہ وہ چادر کے اندر چھُپ کر ٹارچ کی مدد سے کوئی کتاب پڑھ رہے تھے۔ ایسے میں بھلا آپریشن کیا کامیاب ہوتا۔

مولانا فریدیؒ کے انتقال پر دارالعلوم ندوۃ العلماء کے تعزیتی جلسے میں تقریر کرتے ہوئے حضرت مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی مدّظلہ، نے بالکل صحیح فرمایا تھا کہ "مولانا فریدیؒ کو عِلم سے وہی تعلق تھا جو مچھلی کو پانی سے ہوتا ہے"۔

عِلمی سفر

اُن میں تحقیق کا مادہ فطری تھا، ہر بات کا کھوج خوب لگاتے تھے اور ایک لفظ کی تحقیق کے لیے میلوں کا سفر کرنے چلے جاتے تھے۔ اُنھوں نے متعدد قصبوں اور دیہاتوں کے کتب خانوں اور ذاتی ذخیروں کو بھی کھنگال ڈالا تھا اور ایسی جگہ سے کتاب نکال کر لاتے تھے جہاں سان گمان بھی نہ ہوتا تھا۔ میرٹھ، مَوانہ، کھتولی، پُھلت، پُھلاودہ نانوتہ، گنگوہ، سہارنپور، رام پور منہیاران، مراد آباد، رام پور، سیتاپور، لاہرپور، خیرآباد، لکھنؤ، چاندپور، گلاؤٹھی، خورجہ اور خدا جانے کہاں کہاں وہ کتابوں کی تلاش میں گھومے ہیں، اور کیسے کیسے گوہرِ آبدار نکال کر لائے ہیں۔ کتب خانوں کے مالک بھی اُن کی سادہ دبے ریا شخصیت کو دیکھ کر متاثر ہوتے تھے، اور عموماً اُنھیں کتابیں دیکھنے بلکہ گھر لے جانے کی اجازت

بھی دے دیتے تھے ۔ رمضان میں چند روز کے لیے رامپور جاتے تھے وہاں قاضیِ شہر کا قدیم اور قابلِ قدر کتب خانہ ہے، قاضی صاحب ہر شخص کو کتابیں نہیں دکھاتے تھے، مگر انھیں اپنے کتب خانے کی چابیاں دے دیتے تھے، اور فجر کی نماز کے بعد ظہر تک اور کبھی عصر تک اُن کے کتب خانے میں بیٹھے مطالعہ کرتے رہتے تھے ۔

مکتوباتِ شاہ ولی اللہؒ کی دریافت

غالباً ۱۹۴۷ء کا قصہ ہے چاندپور کے ایک بنیے نے ہماری جایداد کا کچھ حصہ خرید لیا تھا، یا کچھ اور بات تھی، مولانا فریدیؒ اُس سے ملنے کے لیے چاندپور گئے اُس وقت مولانا مرتضیٰ حسن چاندپوری[1] بقیدِ حیات تھے اُن سے ملے اور اُن کا کتب خانہ دیکھا اُسی میں ایک قلمی کتاب ملی جس کے دو حصے تھے، پہلے حصے میں حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے وہ خطوط تھے جو شاہ محمد عاشق پھلتی کے فرزند شاہ عبدالرحمٰن پھلتیؒ نے جمع کیے تھے اور دوسرے حصے میں وہ مکتوبات تھے جو اپنے بیٹے کے وفات پانے کے بعد خود شاہ محمد عاشقؒ نے فراہم کیے تھے ۔ یہ ایک نایاب مجموعہ تھا۔ جس کا کوئی دوسرا نسخہ تاحال معلوم نہیں ہے ۔ مولانا فریدیؒ نے اُس وقت تو اُس کا مطالعہ کیا، اور کچھ نوٹ سرسری طور پر لیے ۔ پھر مولانا چاندپوریؒ کے انتقال کے بعد اُن کے لائق فرزند نے یہ نسخہ مولانا فریدیؒ کو گھر لے جاکر نقل کرنے کے لیے دے دیا۔ یہ ذرا بدخط اور مغشوش بھی تھا، اسے پڑھنے اور صحیح نقل کرنے کے لیے بہت محنت کی ضرورت تھی، مولانا فریدیؒ مدرسے سے آکر ظہر کی نماز کے بعد اپنے گھر میں بند ہوکر زمین میں بیٹھتے تھے اور اِسے نقل کیا کرتے تھے، سخت گرمی کا موسم تھا، اور گھر میں بجلی پنکھا کچھ نہ تھا، ہوا بھی وہاں گذر نہ کرتی تھی، مگر یہ دنیا و مافیہا سے بے خبر اُس کے ایک ایک لفظ کو صحت کے ساتھ لکھنے میں محو رہتے تھے، اتنا پسینہ آتا تھا کہ کبھی وہ جگہ بھی تر ہو جاتی تھی جہاں بیٹھے ہوتے تھے ۔ اِس طرح اُنھوں نے ۱۹۶۵ء میں یہ مسودہ پورا نقل کیا۔ اس میں جو خطوط

---

[1] مشہور عالم اور مناظر مولانا مرتضیٰ حسن چاندپوریؒ۔ شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ، مولانا احمد حسن کانپوریؒ اور مولانا محمد یعقوبؒ کے شاگرد تھے پہلے مولانا رفیع الدینؒ سے بیعت کی تھی پھر مولانا تھانویؒ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے دوشنبہ یکم ربیع الثانی ۱۳۷۱ھ (۳۱ دسمبر ۱۹۵۱ء) کو وفات ہوئی ۔ دو صاحبزادے محمد حسن اور محمد انور یادگار رہے رسائل مولانا چاندپوری پاکستان میں طبع ہو چکے ہیں ۔

سیاسی موضوعات پر تھے وہ (۱۹۵۰ء میں) مع اردو ترجمہ پروفیسر خلیق احمد نظامی کو دے دیے تھے جنھوں نے اپنے مقدمہ و حواشی کے ساتھ انھیں "شاہ ولی اللہ دہلوی کے سیاسی مکتوبات" کے نام سے چھپوایا، باقی مکتوبات تین سو سے زائد وہ ہیں جو علمی و دینی موضوعات پر ہیں، بصارت سے معذور ہونے کے باوجود مولانا فریدیؒ نے انھیں پڑھوا کر ایک ایک لفظ سنا بار بار غور کر کے متن کی پوری صحت کی پھر ان کا نہایت سلیس اور شگفتہ ترجمہ املا کرایا، تمام مکتوب الیہم کے حالات جمع کر کے لکھوائے اور مکتوبات میں جو ایسے مواقع آئے ہیں جن کی تشریح کی ضرورت تھی اُن پر حواشی لکھوائے، یہ سب چار جلدوں کا مواد ہو گیا۔ اس کی طباعت و اشاعت کے لیے حکیم عبدالحمید صاحب (ہمدرد) سے بات ہوئی تھی اور انھوں نے اشاعت کا ذمہ لیا تھا مگر کسی نہ کسی وجہ سے اس میں تاخیر ہوتی رہی اور مولانا فریدیؒ کو آخر وقت تک اگر کسی بات کی حسرت رہی تو یہی تھی کہ وہ ان مکتوبات کو کتابی صورت میں چھپا ہوا دیکھ لیتے۔ مگر خود فرماتے تھے کہ "انسان کی ہر خواہش پوری نہیں ہوا کرتی"۔ اب ان خطوط کو شائع کرانے کی ذمہ داری اس ناچیز پر آ پڑی۔ الحمد للہ کہ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی علیہ الرحمۃ کے خاص تربیت یافتہ مولانا محمد کلیم صدیقی پھلتی زیدمجدہ کی اعانت سے مکتوبات کا اردو ترجمہ دو جلدوں میں شائع ہو چکا ہے۔

اختصاصی موضوعات

حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور اُن کے خاندان کے باکمال حضرات سے بھی مولانا فریدیؒ کو خصوصی قلبی تعلق تھا، اس موضوع پر جتنا کام انھوں نے کیا ہے وہ برصغیر میں اور کسی نے نہیں کیا۔ اُن کے اختصاصی موضوعات تھے:

اکابرِ دیوبند، حضرت مجدد الف ثانیؒ اور اُن کے نامور اخلاف، حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور ان کا خاندان، حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ، اور حضرت سید احمد شہیدؒ اور اُن کی تحریک جہاد۔ مطالعہ و تحقیق میں مولانا فریدیؒ کے علمی اسفار کے علاوہ اُن کی غیر معمولی قوتِ حافظہ کو بھی بڑا دخل تھا، اُن کے ہوش و حواس اور قوتِ حافظہ آخری لمحے تک درست رہی۔ اُن سے ملنے کے لیے ہزاروں انسان آتے تھے، دوسرے شہروں سے پوری پوری جماعتیں آتی تھیں، بعض حضرات سال دو سال کے بعد ملتے تھے، مگر کمال یہ تھا کہ مولانا صرف "السلام علیکم" سُن کر آواز سے پہچان لیتے تھے، کبھی نام دریافت فرما لیتے، اور نام سے سمجھ جاتے تھے، اس سے زیادہ تحقیق کی

ضرورت شاذ ہی پیش آتی ہے۔ بعض کتابیں اُنھوں نے برسوں پہلے کبھی پڑھی تھیں مگر حافظے میں یہ محفوظ تھا کہ اُن میں کیا لکھا ہے؟ ایک بار اُنھوں نے کسی بات کا تذکرہ "انوار العیون" کے حوالے سے کیا۔ میں نے اُسی زمانے میں وہ کتاب پڑھی تھی۔ عرض کیا کہ اُس میں تو یہ بات نہیں ہے! نہایت میٹھے لہجے میں فرمایا: "اب پھر دیکھنا"۔ دیکھا تو واقعی اُس میں وہی لکھا تھا جو مولانا نے فرمایا تھا۔ کبھی پنسل سے کبھی قلم سے دورانِ مطالعہ نوٹس بھی لکھتے رہتے تھے۔ ایسے سیکڑوں پُرزے ان کے کاغذوں میں محفوظ ہیں۔ مطالعے میں اُن کی نظر مسائل کی جزئیات پر بہت گہری رہتی تھی اور مختلف کتابوں کے مطالعے سے نتائج کا استنباط خوب کرتے تھے۔ تحریر میں احتیاط بھی بہت تھی۔ کوئی ایسا لفظ نہ لکھتے تھے جس میں تاویل کی گنجائش رہ جائے۔

عقائد اور مسلک

اپنے عقائد میں وہ علمائے دیوبند کے مسلک پر تھے۔ مگر کسی سے اُلجھتے نہ تھے۔ دوسروں کی باتوں کو بھی پورے تحمّل سے سنتے تھے، اور ایسی کوئی بات نہ کہتے تھے جس سے کسی کی دل آزاری ہو، البتہ اگر کوئی مخالف مسلک کا آدمی عوام میں فتنہ پھیلاتا تھا تو اُس کا جم کر مقابلہ کرتے تھے۔

اُنھیں تمام اولیا اللہ سے گہری عقیدت تھی خصوصًا اپنے سلسلے کے مشائخ سے والہانہ تعلّق تھا۔ مولانا فریدیؒ حج کر کے آئے تو میرے نانا حضرت شاہ سلیمان احمد چشتی علیہ الرحمۃ نے انھیں دو روپے عطا کیے، بڑی عقیدت سے قبول کر کے فرمایا کہ میں انھیں خرچ نہیں کروں گا برکت کے لیے پاس رکھوں گا۔ حضرت شاہ عضدالدّین جعفری کی خانقاہ میں ہمیشہ جاتے تھے اور جلسوں کی صدارت فرماتے تھے۔ میاں موجؒ کے سجادہ نشین میاں شاہ علاء الدینؒ اور اُن کے فرزند میاں شاہ معین الدّین عرف بابو میاںؒ سے بہت محبت کرتے تھے باہر کا کوئی مہمان آتا تھا تو تاکید کرتے تھے کہ انھیں بابو میاںؒ سے ملواؤ۔ حضرت شاہ آفاق احمدؒ (ردولی) حضرت شاہ محمد الحسینی (گلبرگہ) حضرت عُبید اللہ شاہ (سجادہ نشین شیخ محب اللہ آبادی) اور حضرت خواجہ حسن ثانی نظامی سے نہایت ادب و احترام کا معاملہ کرتے تھے۔

میرے نانا صاحب حضرت شاہ سلیمان احمد چشتیؒ حضرت مولانا احمد حسن محدّث امروہیؒ کے شاگرد تھے۔ اور جامع مسجد کے مدرسے سے ہی فراغت کی سند حاصل کی تھی مگر بعض مسائل

میں وہ اختلاف رکھتے تھے ۔ مولانا فریدیؒ روز دوپہر کو کھانا کھانے آتے تھے تو کبھی نانا صاحب اُن کے پاس آکر بیٹھ جاتے اور کسی اختلافی مسئلے پر گفتگو شروع کر دیتے ۔ مولانا فریدیؒ اُن کا بے حد احترام کرتے تھے ، میری والدہ کہتی بھی تھیں کہ اُن سے کھانے کے وقت ایسی باتیں نہ چھیڑا کریں ممکن ہے ناگوار ہو ، مگر مولانا فریدیؒ نے کبھی ذرّہ برابر کسی ناگواری کا اظہار نہیں کیا ، نہایت ادب اور احترام سے اُن کی باتیں سنتے تھے ، کبھی بہت ہی اختصار کے ساتھ کوئی جواب دے دیتے تھے ۔ مولانا فریدیؒ کے جانے کے بعد اکثر نانا صاحبؒ میری والدہ سے فرماتے تھے : "تمھارے خاندان میں یہ ایک فرشتہ پیدا ہوگیا ہے" ۔ کبھی مجھ سے یوں فرماتے تھے : " یہ ایک عجیب و غریب چیز پیدا ہوگئی ہے ، اِس کی قدر کرتے رہنا ۔" (اور لفظ عجیب و غریب کو خاص طور پر زور دے کر کہتے تھے) ۔

مولانا فریدیؒ میرے اکثر مضامین پڑھوا کر سنتے تھے اور اُن میں کوئی لفظ بھی اگر نادرست ہوتا تو اُسے یاد رکھتے تھے ، ملاقات ہونے پر اُس کی طرف توجہ دلاتے تھے ۔ بعض مضامین میں کوئی بات صریحًا ان کے عقائد کے خلاف ہوتی تھی مگر اُس پر کبھی مجھ سے مواخذہ نہیں کیا ؛ میں بھی کبھی اتنی گستاخی کرتا تھا کہ اُن سے اختلاف کر کے اپنی دلیلیں پیش کرتا تو بہت محبت سے مسکرا کر سنتے رہتے تھے ۔

۱۹۴۷ء سے قبل جب جنگ آزادی اپنے شباب پر تھی وہ سیاست میں بھی حصہ لیتے تھے اس لیے کہ جمیعۃ العلماء کانگرس کے ساتھ تھی ۔ ایک بار ابوالنظر حکیم سیّد طفیل حسن رضوی کے مکان پر ایک جلسہ جناب رئیس الدین فریدیؒ (ایڈیٹر روزانہ ہند کلکتہ) کی صدارت میں ہوا ابوالنظر مرحوم مسلم لیگ کے ہم نوا ہو گئے تھے ۔ مولانا فریدیؒ نے ایک تقریر کانگرس کے حمایت میں لکھ کر مجھے یاد کرادی اور جلسے میں اپنے ساتھ لے گئے ۔ میری عمر ۱۱ / ۱۲ کی ہوگی وہ تقریر سن کر لوگوں کو اندازہ ہوگیا کہ مولانا فریدیؒ پس پردہ بول رہے ہیں ، اس پر کچھ چہ میگوئیاں بھی ہوئیں ایک بار محلہ قریشی میں مسلم لیگ کے کارکنوں نے اُنھیں گھیر لیا اور اتنا ستایا کہ وہ رونے لگے ۔ وہ ستانے والے تو سب بارہ باٹ ہو گئے اور اُن کے گھروں میں خاک اُڑنے لگی ۔ مگر مولانا فریدیؒ زندگی بھر نظریۂ پاکستان سے متفق نہ ہو سکے ۔ تقسیم ملک سے پہلے بھی ہمارا خاندان

توہمیشہ پنجاب ہی میں رہا۔ کچھ افراد پاکستان بننے کے بعد چلے گئے، وہاں سب عزیز بہت چاہتے تھے کہ مولانا فریدیؒ ایکبار پاکستان آجائیں مگر انھوں نے کبھی ہامی نہ بھری۔ زندگی کے آخری سال میں آمادہ ہو گئے تھے اور بعد رمضان جانے کا ارادہ تھا مگر موت سبقت کر گئی۔

انتقال سے چند ماہ بیشتر شہر کے ایک وکیل صاحب اُن کی عیادت کے لیے آئے اور کچھ سیاسی گفتگو کرتے رہے، اسی میں انھوں نے جمعیۃ العلماء کے سیاسی کردار پر سخت الفاظ میں نکتہ چینی کی، مولانا فریدیؒ یہ برداشت نہیں کر سکتے تھے کہ اُن کے سامنے کوئی علماء دیوبند کی بے جا مذمّت کرے، اُس وقت بیمار بھی تھے۔ دل و دماغ پر اتنا بوجھ پڑا کہ بخار ہو گیا جو کئی دن تک چڑھا رہا۔ میں حاضر خدمت ہوا تو بتایا کہ فلاں وکیل صاحب نے ایسا کہا اس کی مجھے اتنی ناگواری ہوئی کہ بخار آگیا۔ میں نے کہا کہ آپ کو دوسروں کے عقائد اور مسلک کا اتنا اثر نہیں لینا چاہیئے، پوری تاریخ اسلام میں کوئی زمانہ ایسا نہیں آیا، جب امّت کسی ایک سیاسی مسلک پر متفق ہو گئی ہو، ہمیں صرف یہ دیکھنا چاہیئے کہ ہم تو غلطی پر نہیں ہیں، اللہ تعالیٰ نے تو بد ترین کافروں، منکروں اور مشرکوں کو بھی چھوٹ دے رکھی ہے۔ یہ باتیں سن کر اُن کی طبیعت بحال ہوئی۔

تبلیغ دین

اُن کی وجہ سے جمعیۃ العلماء کو امروہہ اور اس کے آس پاس علاقوں میں ہمیشہ بہت تقویت حاصل رہی، اُس کا ہر کام بڑی لگن اور جانفشانی سے کرتے تھے۔ اسی طرح تبلیغی جماعت کے وہ نہایت سرگرم فعّال اور مخلص کارکن تھے۔ ۱۹۴۷ء سے وفات تک تقریباً ۴۲ سال امیر جماعت رہے سیکڑوں جماعتیں بنا بنا کر دور و نزدیک بھیجتے تھے اور اکثر خود بھی جاتے تھے انھوں نے نوجوانوں میں دین کا عجیب خاموش درد پیدا کر دیا تھا اور حیرت یہ ہے کہ نوجوان، خاص طور پر انگریزی مدارس کے تعلیم یافتہ نوجوان، ان کی طرف بہت آتے تھے ہر شخص پہلی ہی ملاقات میں گرویدہ ہو جاتا تھا۔ انھوں نے بے شمار مسجدوں کو آباد کرایا، چھوٹے چھوٹے دیہات میں جہاں مسجد نہ تھی مسجد تعمیر کروائی اور مسجد تھی تو اس میں مدرسہ شروع کرایا۔ آج کتنے ہی مدارس ایسے ہیں جو مولانا فریدیؒ کے قائم کیے ہوئے بہت کامیابی کے ساتھ چل رہے ہیں۔ دیہاتیوں کے سامنے ایسی پر اثر تقریر کرتے تھے جس میں علمیت

کا بوجھ بالکل نہ ہوتا تھا اور بات دل میں پیوست ہوجاتی تھی۔

۱۹۶۹ء میں میرے ساتھ حیدرآباد جارہے تھے۔ ریل میں کھڑکی کے پاس بیٹھے تھے میوات کے علاقے میں کہیں جنگل میں گاڑی رک گئی وہاں پندرہ بیس آدمی پیدل جارہے تھے انھوں نے دُور سے مولانا فریدیؒ کو دیکھ لیا اور ریل کے پاس آکر اُن سے باتیں کرنے لگے سب کو حیرت تھی کہ یہاں جنگل میں بھی ان کے چاہنے والے نکل آئے۔ نماز پڑھنے کے لیے کچھ دیر تک تحری کرتے رہے قبلے کا صحیح اندازہ نہیں ہو پا رہا تھا، حیدرآباد پہنچ کر پہلا کام یہ کیا کہ ایک قطب نما منگوایا اور اُسے واپسی کے سفر میں اپنے ساتھ رکھا۔

معمولات مولانا فریدیؒ کے معمولات تہجد کے وقت سے شروع ہوتے تھے اور رات کو گیارہ بارہ بجے تک لوگوں کی آمد کا سلسلہ رہتا تھا مگر ذکر یا تسبیح وغیرہ وہ کسی کے سامنے نہ پڑھتے تھے۔ مراقبہ بھی کرتے تھے تو اپنے مکان میں بند ہوجاتے تھے۔ ایکبار میں کسی ضرورت سے اُن کے پاس گیا میری آواز سن کر دروازہ کھول دیا۔ میں نے دیکھا کہ اُن کا چہرہ تمتما رہا تھا اور آنکھیں سُرخ انگارہ ہو رہی تھیں، آواز میں ایسی کیفیت تھی گویا نشے میں ہیں اس وقت انھوں نے مجھ سے ایک دو باتیں ایسی کہیں کہ میرے رونگٹے کھڑے ہوگئے اور یہ یقین ہوگیا کہ ان کی کشف کی کیفیت بھی بہت بڑھی ہوئی ہے۔ عموماً وہ اپنی کسی بات سے یا کسی ادا سے یہ اظہار نہ ہونے دیتے تھے کہ وہ کوئی ولی اللہ یا درویش یا صاحبِ باطن انسان ہیں، عام آدمی کا سا برتاؤ رکھتے تھے۔ بے شمار آدمی، عورتیں اور بچے اُن سے دعا کرانے یا تعویذ لینے آتے تھے تعویذ کسی کو نہ دیتے تھے۔ اکثر پانی دم کرکے دے دیا کرتے تھے۔ اگر کوئی ایسی کیفیت ہوتی تھی جس میں طبی علاج کی ضرورت ہو تو طبیب سے رجوع کرنے کا مشورہ دیتے تھے اور عموماً حکیم صیانت اللہ صاحب کے پاس بھیج دیتے تھے۔ لوگ دعا کی درخواست کرتے تھے تو بہت کم ایسا اتفاق ہوتا تھا کہ اُنھوں نے کسی کے لیے ہاتھ اُٹھا کر، اُس کے مقصد کی وضاحت کرکے یا اُس کا نام لے کر اُس کے سامنے ہی دعا کر دی ہو۔ نماز کے بعد خدا جانے اپنے رب سے کیا مانگتے ہوں گے اور کیا پاتے ہوں گے، مگر اُن کا دعا دینے کا انداز ہی مختلف تھا، باتوں باتوں میں دعا دیتے تھے۔ حضرت بابا فریدالدین مسعود گنج شکر علیہ الرحمۃ

نے فرمایا کہ : تا چہل سال بندہ مسعود آن کرد کہ خدا می خواست ، اکنوں خدا آن می کند کہ بندہ مسعود می خواہد ،، مولانا فریدیؒ نے بھی اپنی پوری زندگی کو مرضیات الٰہی کے سانچے میں ڈھال دیا تھا اور اپنی ہر خواہش کو فنا کر دیا اس لیے انھیں بھی وہ مقام حاصل ہو گیا تھا کہ

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود

گرچہ از حلقوم عبد اللہ بود

قدرت اللہ شہاب نے اپنی سوانح عمری میں لکھا ہے :

" اگر عبادت یا نماز کا مجاہدہ کسی دنیوی غرض سے نہ کیا جائے بلکہ اس ارادے سے کیا جائے کہ بے تکلف افعالِ صالحہ کا صدور ہونے لگے تو وہی مشقت ہر ہر فعل کی معاون و مددگار ہو جائے گی اور رسوخ کامل کا راستہ وا ہو جائے گا۔ یہی استقامت سب سے بڑی کرامت ہے جس پر اللہ تعالیٰ کی رحمت اور رضا کا سایہ ہر وقت چھایا رہتا ہے ۔ ایسے لوگ مستجابُ الدعوات ہوتے ہیں یعنی اُن کی اکثر دعائیں قبول ہوتی ہیں اُن کا ارادہ بھی دعا بن جاتا ہے اُن کی خواہش بھی دعا ہوتی ہے چوں کہ ان کی اپنی خواہشات کا دائرہ سمٹ سمٹا کر صفر کے برابر ہو گیا ہوتا ہے اس لیے اُن کی دعائیں ، اُن کے ارادے اور اُن کی خواہش زیادہ تر دوسروں کے لیے ہوتی ہیں جن پر قبولیت کا فضل وارد ہوتا ہے ۔ اپنی ذات کے لیے اُن کی صرف ایک ہی دعا اور خواہش ہوتی ہے وہ حسن خاتمہ کی ہوتی ہے "

(شہاب نامہ ص ۱۱۷۵ طبع لاہور ۱۹۸۸ء)

مولانا فریدیؒ کے پاس اگر کوئی شخص آتا اور مثلاً کسی مفقود الخبر کے ملنے کی دعا کرنے کو کہتا تو اُس کا حال پوچھتے رہتے ، اُس سے پوری ہمدردی اور دلچسپی کا اظہار کرتے ، کب غائب ہوا ، کیوں گیا ؟ کہاں جا سکتا ہے ؟ اس طرح کی باتیں کرتے کرتے اُس سے درمیان میں کہہ دیتے " اچھا اللہ مددگار ہے ، جب وہ شخص آجائے تو مجھے بھی بتانا ،، بس یہی دعا ہو گئی ۔ جسے عرف عام میں " کرامت ،، کہا جاتا ہے اُس کے واقعات اگر جمع کیے جائیں تو بلا مبالغہ ایک پوری کتاب تیار ہو سکتی ہے مگر مولانا فریدیؒ کو اخفائے حال کا اتنا شدید اہتمام تھا کہ اُن احوال و کیفیات کو ہر شخص سمجھ بھی نہیں سکتا تھا جس کو کوئی تجلّی نظر آگئی وہ پھر ان کا دل و جان سے عقیدت مند

ہوجاتا تھا ۔

معمولات اور غذا

اُن کے کچھ معمولات ہفتہ وار تھے مثلاً ہر جمعرات کو عصر کی نماز جامع مسجد میں ادا کرتے تھے اور پھر عشا کے وقت تک وہاں رہتے تھے اس دوران میں جماعتوں کی تشکیل کر کے انھیں اطراف وجوانب میں روانہ کرتے تھے ۔ رات کا کھانا ہمیشہ عشا کی نماز کے بعد کھاتے تھے اور دوپہر کا نماز ظہر سے قبل ۔ کھانے میں پُر تکلّف چیزوں سے مطلق رغبت نہ تھی بلکہ بے دلی سے کھاتے تھے ۔ دودھ کبھی نہیں پیا ، اسی طرح گھی استعمال نہ کرتے تھے ۔ مُرغ سے قطعاً دلچسپی نہ تھی ۔ گوشت بہت تھوڑا کھالیتے تھے مگر ان کی مرغوب غذا دال چاول تھی اس کے ساتھ پودینے یا کوتھمیر اور ہری مرچ کی چٹنی بڑے شوق سے کھاتے تھے ۔ کھانے میں احتیاط بھی بہت کرتے تھے مگر اس طرح کہ کسی کو محسوس نہ ہو ایک صاحب کسی خاص تہوار کے موقع پر طرح طرح کے لذیذ کھانے ہر سال بھیجا کرتے تھے مگر مولانا فریدیؒ نے اُن کے گھر کا ایک حبہ بھی کبھی نہیں کھایا اس لیے کہ اُن کی آمدنی میں کچھ شبہ تھا مگر ان سے وہ کھانے خوش دلی سے وصول کر لیا کرتے تھے ۔ بیماری کے زمانے میں ڈاکٹروں نے مشورہ دیا کہ انھیں چوزے کی یخنی بنا کر پلائی جائے ۔ کئی چوزے منگوا کر دو ایک گھر میں رکھوا دیے گئے تھے وہاں سے ایک چوزہ ذبح کر کے لایا جاتا اور اُس کا یخنی کا پانی ایک پیالہ میں اُن کو یہ کہہ کر دیا جاتا تھا کہ یونانی دوا ہے ۔ ذائقہ خراب تھا اس لیے وہ پہچان نہ پاتے تھے ۔ ایک بار نہ جانے کس طرح اُنھیں بھنک لگ گئی کہ چوزے کی یخنی دی جا رہی ہے بہت ناگواری کے ساتھ فرمایا : " میں چوزے کھاؤں گا ؟ ہزاروں مفلس انسان ایسے ہیں جنھیں دوا بھی میسّر نہیں " بڑی دشواری سے اُن کو وہ ایک پیالی پلائی جاتی تھی ۔

سالانہ معمول یہ تھا کہ رجب اور شعبان میں جامع مسجد کے طلبہ کو درس دے کر امتحان کی تیاری کراتے تھے ۔ رمضان میں پہلے تو برسوں یہ معمول رہا کہ عشرۂ اخیرہ میں اپنی مسجد میں معتکف ہو جاتے تھے اب کئی برس سے اعتکاف میں نہیں بیٹھتے تھے ، سہارنپور میں اعتکاف کرتے ہوں تو اس کا علم نہیں ۔ کچھ برسوں سے معمول یہ ہو گیا تھا کہ چند روز کے لیے رامپور جاتے اور قاضی شہر کے کتب خانے میں مطالعہ کرتے وہاں سے اکثر میرٹھ ،

دیوبند، پھلت، پھلاودہ وغیرہ اطراف کا سفر کرتے اور آخری عشرہ میں سہارنپور پہنچ جاتے تھے جہاں شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا علیہ الرحمۃ کی خدمت میں رہتے۔ شیخ الحدیث اُن سے بہت محبت فرماتے تھے۔ دستر خوان بچھتا تو سب سے پہلے مولانا فریدیؒ اور اُن کے رفقاء کو آواز دی جاتی تھی۔ حضرت شیخ الحدیث انھیں اپنے ساتھ بٹھا کر کھلاتے اور بار بار اپنے دست مبارک سے انھیں کچھ دیتے رہتے۔ رخصت کرتے وقت بھی شیخ انھیں کچھ نہ کچھ مرحمت فرماتے تھے ایک بار بہت اصرار کرکے دو سو روپے عنایت فرمائے۔ ایک بار مولانا فریدیؒ نے مسکرا کر فرمایا کہ دنیا کا قاعدہ ہے مرید پیروں کو نذر دیتے ہیں، مگر ہمارے پیر ہمیں نذر دیتے ہیں۔ حضرت شیخؒ نے خود ہی انھیں اپنی خلافت سے بھی سرفراز فرمایا اور بہت تاکید کی کہ یہ خلافت یونہی نہیں دے رہا ہوں اس کا نفع لوگوں کو پہنچاؤ۔ مگر مولانا فریدیؒ کا ذوق اخفا یہ اجازت نہیں دیتا تھا کہ کسی کو مرید کریں۔ دوسروں کی خدمت میں بھیج دیا کرتے تھے۔ انھیں مولانا فتح محمد میواتی اور مولانا سید مقبول حسن نے بھی بلا طلب خلافت عطا فرمادی تھی موخر الذکر کے لیے تو مولانا فریدیؒ کو یہ کہتے سنا گیا کہ "میں اُن کا معتقد ہوں اور وہ میرے معتقد ہیں"۔

مولانا فریدیؒ اگر دست بیعت قبول کرتے تو یقیناً اُن کے لاکھوں مرید ہوتے۔ سارا شہر کیا، قرب وجوار کے کئی اضلاع ان کے گرویدہ تھے شہری ہو یا دیہاتی، عالم ہو یا جاہل، مدرسہ اور جماعت سے تعلق رکھنے والا ہو یا کالج اور یونیورسٹی کا زائیدہ، تاجر ہو یا نوکر پیشہ کسان ہو یا اہل حرفہ، جوان ہو یا بچہ، اُن کے عشاق ہر طبقے میں اور ہر جگہ موجود تھے اس کا ہمیں بھی اندازہ نہ تھا کہ دلوں پر ایسی حکومت کر رہے ہیں، کچھ اندازہ ہوا تو اُن کے جنازے کا جلوس دیکھ کر ہوا جس میں چھ سات سال کے بچے تک شامل تھے، ہزارہا خواتین اُن کی میت کا دیدار کرنے آئیں، کتنے ہی بوڑھے اور اپاہج لوگ دوسروں کے سہارے چل کر اُن کی میت پر آئے، ہجوم کا یہ عالم ہو گیا کہ جس کے پیر سے جوتا نکل گیا وہ پھر اُسے پہن نہیں سکا شہر میں جگہ جگہ چھوٹے ہوئے جوتوں کو ڈھیر لگا دیے گئے تھے۔

حج بیت اللہ | خاتمہ زمینداری کے جو بانڈ ملے تھے اُن میں سے اپنے حصے کے بانڈ فروخت کرکے وہ ۱۹۶۱ء میں حج بیت اللہ کے لیے تشریف لے گئے تھے

اس وقت تک کچھ بینائی موجود تھی ۔ ارکان حج اور طواف و زیارت کے بعد ان کا باقی وقت مدرسۂ صولتیہ کے کتب خانے میں بسر ہوتا تھا وہاں سے بھی انھوں نے کئی نوادر برآمد کیے انھیں میں وہ مثنوی ”مونس مہجوراں“ بھی تھی جس میں حضرت حافظ ضامن شہید علیہ الرحمۃ کا حال نظم ہوا ہے اسے مولانا فریدیؒ ہی نے دریافت کیا تھا ۔ حج سے واپسی میں جو سامان اُن کے ساتھ تھا اُس میں آب زمزم، کھجور اور چند تسبیحوں کے علاوہ ایک فاؤنٹن پین تھا جو اُنھوں نے اپنی ضرورت سے خریدا تھا اور ایک اسٹوو تھا جس کی فرمایش میرے ماموں صاحب نے کر دی تھی ۔

سند امتیاز

حکومت ہند عربی و فارسی کے اسکالرز کو سند امتیاز دیتی ہے اس کے ساتھ پانچ ہزار روپیہ سالانہ پنشن بھی تاحیات ملتی ہے (یہ اب پچاس ہزار ہو گئی ہے) مولانا فریدیؒ کے علمی مرتبے کو دیکھتے ہوئے اور یہ خیال کر کے کہ اُن کا اب کوئی ذریعۂ آمدنی بھی نہیں ہے، مہمانوں کا اور طلبہ کا سلسلہ روز افزوں ہے، میں نے اُنھیں تو قطعاً بھنک بھی نہیں لگنے دی، عثمانیہ یونیورسٹی حیدر آباد کے وائس چانسلر سے اُن کا نام حکومت کو بھجوایا اور ایک خط حکیم عبدالحمید صاحب سے لکھوایا، چنانچہ ۱۹۸۱ء میں اُن کو یہ سند امتیاز مل گئی مگر مجھے بہت اندیشہ تھا کہ وہ اسے قبول کرنے سے انکار کر دیں گے (حسن اتفاق سے اسی سال حضرت مولانا محمد رابع حسنی ندوی کو بھی یہ سند ملی تھی میں نے اُن کا حوالہ دیا اور بعض دوسرے حضرات سے کہلوایا کہ مولانا اسے قبول کر لیں ۔ وزارت تعلیم سے کلکٹر مراد آباد کے نام برقیہ آیا کہ مولانا فریدیؒ کو جا کر مبارک باد دو کہ انھیں سند امتیاز ملی ہے، کلکٹر نے پہلے امروہہ کے ایس ڈی ایم کو بھیجا، وہ یہ سوچ کر آیا ہو گا کہ وہاں شادیانے بج رہے ہوں گے اور مٹھائیاں بٹ رہی ہوں گی دیکھا تو مسجد کی پرانی چٹائی پر ایک درویش بیٹھا ہوا ہے اور چند معتقدین حسب معمول جمع ہیں، اُس نے بڑی گرم جوشی سے مبارک باد دی مگر یہاں تو ابھی یہی زیرِ غور تھا کہ اسے قبول بھی کریں یا نہیں ۔ وہ یہ کہتا ہوا گیا کہ ”انھیں تو کوئی خوشی نہیں معلوم ہوتی“ میرے دل میں بعد کو یہ خیال آیا کہ ہماری لاکھوں روپے کی زمینداری ختم ہو گئی اور اُس کے بانڈ کوڑیوں کے مول بک گئے، ہمارے ڈیرے پر گاؤں والوں نے زبردستی قبضہ کر لیا، اور ۶۶ بیگھ کا قلمی آموں کا باغ بھی کوڑیوں میں نیلام ہو گیا، اب اگر حکومت سے علمی خدمات کے صلے میں

کچھ مل رہا ہے تو اُسے رد کرنا کیسے مناسب ہو سکتا ہے ۔ خدا کی شان کہ کچھ دن کے بعد یہی الفاظ مولانا فریدیؒ کی زبان پر خود بخود آ گئے اور فرمایا کہ میں نے اسے ڈیرے اور رباع کا معاوضہ سمجھ لیا ہے ۔

اب یہ مرحلہ سامنے آیا کہ ۲۰ ؍ مارچ ۱۹۸۲ء کو راشٹر پتی بھون میں رسمی جلسہ ہونا تھا جس میں راشٹر پتی کے ہاتھوں شال اور سند وصول کی جاتی ۔ میں نے بار بار کہہ کر مولانا کو آمادہ کیا کہ وہ اس جلسے میں تشریف لائیں ۔ راقم الحروف اور خواجہ حسن ثانی نظامی انھیں ساتھ لے کر ایوانِ صدارت تک گئے مولوی محبّ الحق اُن کے ساتھ امروہہ سے آئے تھے ۔ اُنھوں نے نہایت وقار کے ساتھ شال اور سند وصول کی جلسے کے بعد دوسرے ملحقہ ہال میں چلے گئے کیونکہ ادھر کیمرے وغیرہ بہت کھٹک رہے تھے ۔ اندرا گاندھی سب اسکالروں سے ملاقات کر رہی تھیں میں نے کہا کہ عربی فارسی کے علماء سے بھی مل لیجیے ، تو وہ اس ہال میں گئیں جہاں مولانا فریدیؒ بیٹھے ہوئے چائے پی رہے تھے ، جیسے ہی مولوی محبّ الحق نے بتایا کہ اندرا گاندھی اس طرف آ رہی ہیں مولانا ایک ہاتھ میں اپنا جھولا اور دوسرے میں بید لے کر کھڑے ہو گئے تاکہ اُن کے آنے پر اٹھنا نہ پڑے اور دونوں ہاتھ بھی خالی نہ رکھے تاکہ وہ مصافحہ نہ کر سکیں ۔ انھوں نے یہ اوارڈ میری پاسداری میں قبول کر لیا تھا ورنہ ایک دو بار جب غصہ آیا تو فرمایا " یہ تم نے اچھا نہیں کیا "

نفس گیرا

جن دنوں ملک میں ایمرجنسی نافذ تھی اور نس بندی کا ہنگامہ گرم تھا ، امروہہ میں عربی مدرسے کا ایک طالب علم لحاف میں روئی بھروانے بازار گیا تھا اُسے تحصیل کے عملے نے پکڑ کر اس کی نس بندی کر دی ۔ ایسے بہت سے واقعات ہو چکے تھے مگر اس طالب علم کا یہ واقعہ مولانا کے علم میں آیا تو بے چین ہو گئے ۔ ایسے حالات میں اُن کی بھوک بند ہو جاتی تھی اور کئی کئی دن کھانا نہیں کھاتے تھے ۔ فوراً سہارنپور روانہ ہوئے اور حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب علیہ الرحمۃ سے دعا کی درخواست کی ۔ راوی کا بیان ہے کہ وہ بہت دیر تک حضرت شیخؒ کے ساتھ حجرے میں بند رہے اور جب برآمد ہوئے تو داڑھی آنسوؤں سے تر تھی ۔ بس دعا کرا کر امروہہ واپس آ گئے ۔ مولانا فریدیؒ نے کبھی کسی کے لیے بد دعا کا کوئی کلمہ زبان سے نہیں نکالا ، بہت ہی زیادہ غصہ آتا تھا تو یہ فرمایا کرتے تھے کہ " میں

اس شخص کو کہیں بد دعا نہ دے دوں "۔ حضرت شیخ سے ملاقات کے بعد ایک دن امروہہ میں خواجہ حسن ثانی نظامی صاحب آئے ہوئے تھے وہ حسب معمول مولانا فریدیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو اُن سے فرمایا کہ میں نے سنا ہے آپ اندرا گاندھی سے ملتے رہتے ہیں میرا ایک پیغام اُن تک پہنچا دیں۔ خواجہ صاحب نے کہا کہ میں اُن سے ملتا تو نہیں رہتا البتہ کبھی ایسا اتفاق ہو جاتا ہے کہ کسی جلسے میں وہ بھی ہوں اور میں بھی موجود ہوں تو سرسری ملاقات ہو جاتی ہے۔ فرمایا خیر وہ جب بھی ملیں تو آپ میرا پیغام پہنچا دیں گے حکومت فسق و فجور کے ساتھ تو چل جاتی ہے ظلم کے ساتھ نہیں چلتی اگر انھوں نے یہ مظالم بند نہ کیے تو اُن کا تختہ پلٹ جائے گا۔ حسن ثانی صاحب کو یہ پیغام پہنچانے کا موقع تو نہ ملا مگر اس درویشِ خدا مست کی زبان سے جو الفاظ نکلے تھے وہ ایسے نشانے پر لگے کہ ایمرجنسی کے بعد جو عام انتخابات ہوئے اُن کے نتیجے میں کانگرس (آئی) کو پورے شمالی ہندوستان میں ایک سیٹ بھی نہ مل سکی اور خود اندرا گاندھی جیسی شخصیت کو راج نرائن جیسے مسخرے نے شکستِ فاش دے دی۔ اس فتح و شکست کے اور ہزاروں اسباب و علل ہو سکتے ہیں مگر یہ واقعہ ہمارے مشاہدے میں آیا ہے اس لیے میں کہہ سکتا ہوں کہ ایک قوی سبب یہ بھی تھا:

ہیچ قومے را خدا رُسوا نہ کرد

تا دلِ صاحب دلے نامد بہ درد

ایک صاحب نے اپنے کسی عزیز کو دھمکانے کے لیے پولیس انسپکٹر کو بلا لیا۔ وہ مولانا فریدیؒ والی مسجد میں نماز پڑھا کرتے تھے۔ پولیس انسپکٹر انھیں تلاش کرتا ہوا مسجد میں آیا اور اپنے غرور و نخوت میں جوتوں سمیت مسجد کے اندر گھستا چلا گیا۔ مولانا فریدیؒ اپنے رفقاء کے ساتھ مسجد میں بیٹھے تھے۔ انسپکٹر فرعون بے سامان کی طرح رعونت سے بولا فلاں شخص کہاں ہے؟ اور کچھ اس طرح کے الفاظ کہے کہ تم لوگوں نے کیا پاکستان بنا رکھا ہے؟ مولانا فریدیؒ کو جلال آگیا اُسے بہت سختی سے جھڑکا اور جوتے پہنے ہوئے اندر آنے پر سخت تنبیہ کی، اُس سے نہایت جلال کے عالم میں کہا تجھے پتہ ہے پاکستان کہاں ہے؟ نقشہ لے کر آ میں تجھے پاکستان دکھا دوں۔ اُس وقت مولانا فریدیؒ کا جلال ایسا تھا کہ وہ انسپکٹر بھی ایک دم سہم گیا اور اُلٹے پاؤں چلا گیا۔ پھر اُسے خدا جانے کیا دکھایا گیا کہ اس نے دوبارہ آکر مولانا کے پیر پکڑ کر معافی مانگی اور کئی بار معافی مانگنے آیا۔ اس کا امروہہ سے تبادلہ ہو گیا تو شاید گورکھپور یا گونڈہ سے امروہہ کے بعض لوگوں کو خط لکھتا رہا کہ مجھے مولانا

سے معافی دلادو ۔

ایک بار انھیں کوئی کتاب ملی اس کا حال مولانا ابوالحسن زید فاروقی کو خط میں لکھا اور مجھ سے فرمایا "تم دیکھنا مولانا زید میاں اس کتاب کی وجہ سے امروہہ تک آئیں گے "۔ کچھ ہی دنوں کے بعد مولانا زید میاں نے قاضی سجاد حسین صاحب کی معرفت مجھے پیغام بھجوایا کہ میں امروہہ جانا چاہتا ہوں چنانچہ تاریخ طے کی گئی، مولانا زید میاں، قاضی سجاد حسین صاحب اور یہ خاکسار ہوڑ سے امروہہ گئے مولانا زید میاں کے اکلوتے جواں مرگ صاحبزادے ڈاکٹر محمد ابوالفضل فاروقی ڈرائیو کر رہے تھے۔ زید میاں کئی گھنٹے امروہہ میں رہے اور اس کتاب سے اپنے مفید مطلب اقتباسات حاصل کیے ۔

آخری علالت

رمضان المبارک ۱۴۰۸ھ / ۱۹۸۸ء میں اُنھوں نے اپنے سب معمولات سفر وغیرہ حسب عادت پورے کیے مگر کمزوری تھی اس پر کچھ لوہ کا اثر ہوا اور بخار رہنے لگا، اسہال کی شکایت بھی ہوگئی دوا ہمیشہ یونانی ہی استعمال کرتے تھے اور علاج یا حکیم سلطان احمد صاحب مرحوم کا ہوتا تھا یا حکیم صیانت اللہ صاحب اور اُن کے صاحبزادے حکیم شعیب اختر کا۔ علاج سے فائدہ بھی ہوا مگر وہ تبلیغی دورے نہ چھوڑتے تھے، دیہات کا سفر ویسے بھی نہایت تھکانے والا ہوتا ہے، کہیں مدرسے کا سنگ بنیاد رکھنے جا رہے ہیں، کہیں مسجد کا افتتاح کر رہے ہیں، کہیں فارغ طلبہ کو سند اور دستار دینی ہے کسی مدرسے کی شوریٰ کا جلسہ ہے، کسی مخلص کے گھر کوئی تقریب ہے اُس کی دلداری منظور ہے، غرض کوئی نہ کوئی بہانہ سفر کا نکلتا تھا اور وہ اس کمزوری و معذوری کے باوجود سفر کے لیے آمادہ ہوجاتے تھے، دیہاتی بسوں میں سفر کرنا، کہیں رکشا میں کہیں پیدل، کہیں بیل گاڑی میں، گاؤں کے کوبڑ کھابڑ راستے، چلچلاتی ہوئی دھوپ، سائیں سائیں کرتی ہوئی لوہ، کسی چیز کو خاطر میں نہ لاتے تھے اور جہاں مسجد اور مدرسے کا یا تبلیغ کا کوئی کام ہوتا تھا، وہاں ہر طرح کی مشقت برداشت کرکے پہنچ جاتے تھے اس رمضان کے بعد انھیں مکمل آرام اور دوا کی ضرورت تھی مگر اس کا موقع نہ ملا اور رہ رہ کر بخار آتا رہا۔

مجھے ستمبر ۱۹۸۸ء میں گویانا (جنوبی امریکا) ایک کانفرنس میں جانا تھا اور اُس کی تیاری خاصی ہوگئی تھی کہ خود مجھے اگست میں نمونیا ہوگیا اور یہ سلسلہ خاصا طویل رہا اس کی وجہ سے وہ سارا پروگرام منسوخ کردیا اور بعد کو اندازہ ہوا کہ اگر میں ملک سے باہر چلا جاتا تو آخر وقت میں مولانا فریدیؒ کی

خدمت سے محروم رہ جاتا ۔ عَسیٰ اَنْ تَکْرَهُوْا شَیْئًا وَّهُوَ خَیْرٌ لَّکُمْ ۔ میں اسے بھی مولانا فریدیؒ کی کرامت ہی سمجھتا ہوں ۔

مولانا فریدیؒ ڈاکٹری علاج کے لیے کسی طرح آمادہ نہ ہوتے تھے ۔ بعض مخلصین نے اپنے خطوط میں مشورہ دیا کہ ڈاکٹری علاج سے پرہیز مناسب نہیں ہے ۔ اُدھر برادر عزیز ڈاکٹر توفیق احمد نظامی علی گڑھ سے آگئے اور انھوں نے بھی اصرار کیا تب ۸ر اگست ۱۹۸۶ء سے ڈاکٹری علاج شروع کیا گیا اُس سے فائدہ بھی ہونے لگا تھا، مگر کچھ باتیں ایسی بھی ہوتی رہیں جو طبی اصول کے خلاف تھیں بس اب یہی کہا جا سکتا ہے کہ مولانا کی عمر اتنی ہی تھی اور رفیق اعلیٰ کی طرف سے بلاوا آگیا تھا، انسانی تدبیریں ایک لمحہ بھی کم وبیش نہ کر سکتی تھیں ۔

وفات

۵ر ربیع الاوّل ۱۴۰۹ھ مطابق ۱۸ر اکتوبر ۱۹۸۶ء منگل کی صبح ۸ر بج کر ۴۵ منٹ پر علم و فضل فقر و درویشی ، ایثار و اخلاص، ارشاد و ہدایت ، مرحمت و شفقت کا پیکر مجسم اس عالم اسباب وظواہر سے روپوش ہوگیا ۔ فِیْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِیْكٍ مُّقْتَدِرٍ ۔ مگر ہزاروں لاکھوں چاہنے والوں کے دلوں کو اس کی یاد ہمیشہ گرماتی رہے گی اور تبلیغ دین و اقامتِ شریعت و احیائے سنّت کے لیے انھوں نے جو کوششیں کی ہیں وہ اپنے برگ و بار لاتی رہیں گی ۔

مَنْ شَاءَ بَعْدَكَ فَلْیَمُتْ فَعَلَیْكَ كُنْتُ اُحَاذِرُ

(اب تمہارے بعد جس کا جی چاہے مرجائے ۔ مجھے تو تمہاری جدائی کا ہی دھڑکا لگا ہوا تھا) ۔

مجھے دہلی میں سوا نو بجے یہ دلدوز خبر ملی اور فوراً موٹر سے روانہ ہوگیا ۔ اُس دن گڑھ مکتیسر کے پاس نوچندی میل پٹری سے اُتر گئی تھی اس لیے دہلی سے جانے والی ریلیں بند تھیں ، مولانا کے انتقال کی خبر نہ ریڈیو سے آئی نہ کسی اخبار میں چھپی پھر بھی مراد آباد، رامپور، سنبھل، حسن پور، علی گڑھ، دہلی ، کے علاوہ قرب وجوار کے دیہات سے ہزارہا عقیدت مند اس طرح امروہہ پہنچ گئے جیسے مولانا کے انتقال کی خبر کسی فرشتے نے پھونک دی ہو، سیکڑوں آدمی تو میّت کا دیدار کرکے اور فاتحہ پڑھ کر ہی شام تک واپس ہوگئے ، دس ہزار سے زیادہ افراد نے نماز جنازہ میں شرکت کی اور جنازے کی مشایعت کرنے والوں کا تو اندازہ لگانا مشکل ہے ، ہزاروں افراد کو کاندھا دینے کا

موقع ہی نہیں ملا کیونکہ جنازے تک پہنچنا دشوار تھا۔ جلوس میں جس کی جوتیاں پیر سے نکل گئیں وہ اُنھیں دوبارہ نہیں پہن سکا۔ جلوس کے راستے پر صبح کو جابجا چھوٹی ہوئی جوتیوں کے ڈھیر پائے گئے۔

تدفین

ان کی تدفین کے مسئلے پر بھی کچھ اختلافات ہوا، روضہ حضرت شاہ ابن بدر چشتیؒ پر ان کے والدین اور دادا پردادا مدفون ہیں مگر اُس کی تجویز خود میں نے نہیں کی۔ بلکہ یہ خیال ظاہر کیا کہ مولانا فریدی کو حضرت شاہ عبدالہادی علیہ الرحمۃ کی درگاہ میں حضرت شاہ عبدالباریؒ کے پاس دفن کیا جائے یہ دونوں اُن کے سلسلۂ طریقت کے مشائخ ہیں اور حضرت شاہ عبدالباریؒ حضرت سید عبدالرحیم فاطمیؒ شہید بالاکوٹ کے مرشد ہیں۔ لیکن اس تجویز پر کچھ حضرات نے جس طرح کا ردِ عمل ظاہر کیا وہ میرے لیے سخت حیرت کا موجب تھا۔ میں نے عرض کیا کہ وارث کی حیثیت سے یہ میرا حق ہے تو مجھے اپنا حق استعمال کرنے دیا جائے جب کہ مولانا فریدیؒ کی اس سلسلے میں کسی طرح کی کوئی وصیت بھی نہیں ہے۔ بعض حضرات نے، جنھیں شاید یہ علم ہی نہیں تھا کہ مولانا فریدیؒ ہمارے لیے کیا چیز تھے اور ہم اُن کو کتنے عزیز تھے برملا یہ بھی فرمایا کہ یہ لوگ اُن کے مال و اسباب کے وارث ہو سکتے ہیں اُن کے اصلی وارث تو ہم ہیں، پھر یہ ستم کیا کہ ایک صاحب نے نعرہ لگایا کہ میت کو اٹھا کر لے چلو اور کچھ لوگ گھر میں سے میت کا پلنگ اُٹھا کر جامع مسجد لے گئے۔ میں اس موقع پر کوئی ناخوشگوار مظاہرہ ہرگز نہیں کرنا چاہتا تھا اس لیے صبر اختیار کیا اور اپنا معاملہ خدا کے سپرد کر دیا۔ شہر کے کچھ لوگ مفاہمت کی بات کرنے گئے تو سخت مایوس ہو کر واپس آئے۔ میں یہ طے کر چکا تھا کہ اس موقع پر کسی طرح کا کوئی دفاعی مظاہرہ بھی میری جانب سے نہ ہوگا۔ آخر فیصلے کے لیے ایک بڑی عدالت تو ایک دن بیٹھے گی میں اپنا انصاف اُسی سے طلب کروں گا۔

خدا کا کرنا یہ ہوا کہ مولانا اسعد میاں نمازِ مغرب سے قبل ہی دہلی سے پہنچ گئے اور اُنھوں نے مجھے بلوایا۔ میں نے اُن سے عرض کیا کہ آپ کی کسی تجویز کو مولانا فریدیؒ بھی ہرگز نہ ٹالتے اس لیے اب جو آپ کا فیصلہ ہوگا وہی میرا فیصلہ ہے۔ مولانا اسعد میاں اس بات سے خوش ہوتے اور فرمایا کہ جو اُن لوگوں کی خواہش ہے آپ اُسے پورا ہونے دیں۔ میں نے کہا کہ اب میرے کچھ عرض کرنے کی تو گنجائش ہی باقی نہیں رہی۔ غرض ان کے ایما سے جامع مسجد امروہہ کے صحن

میں جانب جنوب ایک لحد تیار کی جانے لگی تو کوئی دوڈھائی فیٹ کھودنے پر ایک اور قبر برآمد ہوگئی ۔ اُن لوگوں نے خود ہی آکر کہا کہ وہاں تو ایک اور قبر نکل آئی اور دوسری قبر کی جگہ نہیں ہے میں نے کہا یہ اللہ کی جانب سے فیصلہ ہوا ہے ۔ چنانچہ اس وقت یہ تجویز سامنے آئی کہ محلہ جھنڈا شہید کی جس مسجد کی چٹائی پر مولانا فریدیؒ کے شب روز گزرتے تھے اور جس کے ایک حجرے میں اُن کی کتابیں بھی رہتی تھیں (اس حجرے کا وہ ماہانہ کرایا ادا کرتے تھے اور مسجد کی بجلی اور پنکھا استعمال کرنے کی وجہ سے بجلی کا بل بھی ادا کیا کرتے تھے) اسی میں اُن کو دفن کیا جائے ۔ اس پر سبب کا فوراً اتفاق ہوگیا اور رات کو دس بج کر چالیس منٹ پر ان کی میت کو کچی اینٹوں سے بنائی گئی لحد میں اتارا گیا ۔ یہ حجرہ مسجد کے دروازے سے بالکل متصل جانب شمال ہے ۔

اپنی بیماری کے آغاز میں مولانا فریدیؒ نے اپنا ایک خواب بیان کیا تھا کہ میں نے دیکھا ہے مسجد میں میرا بستر زمین کے اندر اُتر رہا ہے ۔ اُس وقت تو کسی کا ذہن ادھر منتقل نہ ہوا ۔ دفن کے بعد تعبیر خود واضح ہوگئی ۔ ایک بار شاید ۱۹۷۳ء میں اُن پر ٹائیفائڈ کا شدید اور مکرر حملہ ہوا تھا ، بظاہر بچنے کی کوئی امید نہ تھی اُس وقت حکیم سلطان احمد مرحوم کا علاج تھا ان کی حذاقت اور ذہانت شہرۂ آفاق تھی ایک دن انھوں نے مجھے تنہائی میں لے جاکر کہا کہ مولانا کا اب آخری وقت ہے تمھیں جو کچھ خدمت کرنی ہے کر لو ۔ سخت سراسیمگی پیدا ہوگئی تھی اور اُسی زمانے میں یہ سوال بھی میرے ذہن میں آیا تھا کہ اُن کی آخری آرام گاہ کہاں بنے گی ۔ میں نے سوچا تھا کہ اگر اسی مسجد کے اس حجرے میں وہ آسودہ ہوں تو یہ مناسب رہے گا ۔ مولانا فریدیؒ نے اس زمانے میں نہایت ضعف ونقاہت اور اطباء کی مایوسی کے باوجود ایک دن مجھ سے فرمایا کہ " میں ابھی مر تھوڑی رہا ہوں ۔ صحت ہوجائے تو پھلت جاؤں گا اور سیتاپور بھی جانا ہے ۔" وغیرہ ۔ اور واقعی وہ تندرست ہوگئے اور کئی برس تک پھر اپنے معمولات میں منہمک رہے مگر تدفین کے لیے اس وقت میرے دل میں جو خطرہ گزرا تھا وہ شاید اُن پر بھی مکشوف ہوگیا تھا اور اسی طرح وقوع میں آیا جیسا میں نے سوچا تھا ۔

مگر سوال یہ ہے کہ مسجد کسی کی ملکیت نہیں ، اس میں جو جگہ حاصل کی جائے اس کی قیمت ادا ہونی چاہیے اور قیمت کسی فرد کو ادا ہو نہیں سکتی ۔ مسجد کا سائبان جوٹین کا ہے اور اُس کے نیچے لکڑی کے تختے جڑے ہوئے ہیں وہ میرے پردادا مولوی بشیر احمد فریدیؒ نے بنوایا تھا اتفاق ایسا ہوا کہ دو سال قبل

جاڑوں میں پانی گرم کرنے کے لیے چولھا جلا ہوا تھا، اس کے اوپر بلندی پر کچھ کپڑے رکھے تھے، رات میں کسی وقت چولھے سے آگ اُن کپڑوں میں لگی اور کپڑوں سے سائبان میں۔ شمالی طرف کے کچھ تختے جل گئے۔ بہت سے لوگوں نے اس سائبان کی مرمّت کرانے کی خواہش ظاہر کی مگر مولانا فریدیؒ ہر ایک کو ٹال دیتے تھے۔ اور فرماتے تھے کہ یہ میرے دادا صاحب کی نشانی ہے۔ اس کی مرمّت کا کام ٹلتا رہا۔

۶/ اپریل ۱۹۸۶ء کو جناب ظلّ احمد نظامی صاحب (مولانا فریدیؒ کے بھانجے) کراچی سے دہلی آئے اور یہاں چند روز رہے۔ ایک دن وہ مولانا فریدیؒ سے ملنے کے لیے امروہہ گئے اور اتفاق یہ ہوا کہ مولانا فریدیؒ اُسی دن اُن سے ملنے کے لیے دہلی کی طرف روانہ ہو گئے۔ نظامی صاحب اس مسجد میں گئے تو اُنھوں نے سائبان کا جلا ہوا حصّہ دیکھا اور کسی شخص کو بلا کر اس سے کہا کہ اس کی ساری مرمّت وغیرہ پر زیادہ سے زیادہ جو خرچ ہوگا وہ تخمینہ کر کے بتاؤ۔ اس شخص نے سارا حساب خوب فراغت سے جوڑ کر تیرہ ہزار روپے کا خرچ بتایا یہ معلوم کر کے نظامی صاحب دہلی آ گئے یہاں مولانا فریدیؒ بٹلہ ہاؤس جامعہ نگر کی مسجد میں میرے گھر کے پاس مقیم تھے نظامی صاحب ان سے ملنے کے لیے آتے اور میرے غریب خانے پر دونوں کی ملاقات ۱۱/ اپریل ۱۹۸۶ء کو ہوئی۔ نظامی صاحب نے کہا کہ میں نے مسجد کی مرمّت کا تخمینہ کرایا تھا تو یہ بتایا گیا کہ زیادہ سے زیادہ تیرہ ہزار روپئے خرچ ہوں گے۔ یہ کہہ کر اُنھوں نے تیرہ ہزار روپے دیے مولانا نے فرمایا نثار کے پاس رکھ دو۔ وہ میں نے اگلے دن بنک میں ڈال دیے۔

اسی وقت مولانا فریدیؒ نے پھر نظامی صاحب سے کہا: اگر ان روپوں میں سے میں ایک الماری خرید لوں تو تمہاری اجازت ہے؟ نظامی صاحب نے کہا: "یہ سب روپے آپ کے ہیں آپ جس طرح چاہیں خرچ کریں"۔ اب گویا وہ رقم مولانا کی ملکیت میں آ گئی۔ جون کے مہینے میں اُنھوں نے وہ روپے مجھ سے منگوا کر سائبان کی مرمت اور بجلی کی فٹنگ، وارنش وغیرہ میں خرچ کیے حالانکہ اس زمانے میں بہت بیمار تھے اور اپنے آبائی مکان کے دروازے میں لیٹے رہتے تھے۔ اس طرح مسجد میں وہ سب روپیہ خرچ ہو گیا۔ اب مجھے انتقال کے بعد اندازہ ہوا کہ انھیں مسجد میں دفن ہونا تھا تو یہ روپیہ انھوں نے اپنی ملکیت میں لے کر مسجد میں لگایا اور میرے ذریعے سے خرچ ہوا کیونکہ تدفین میرے اہتمام سے ہونی تھی، اگر وہ نظامی صاحب کو امروہہ میں ہی مل جاتے تو یہ روپیہ میرے توسّط سے خرچ نہ ہوتا۔ اُنھیں جس حجرے میں دفن کیا گیا ہے اُس کی قیمت انشاءاللہ ہم لوگ ابھی ادا کریں گے اور بار

بار کریں گے۔ مگر مولانا اپنا کام پختہ کر گئے۔

مولانا فریدیؒ جیسی جامع کمالات ہستی روز روز پیدا نہیں ہوتی بقول میر:-

مت سہل ہمیں جانو پھرتا ہے فلک برسوں
تب خاک کے پردے سے انساں نکلتے ہیں

انھوں نے ایسی پاکیزہ، مثالی اور مجاہدات سے بھرپور زندگی گزاری ہے کہ ایک تعزیتی جلسے میں تقریر کرتے ہوئے میں نے کہا تھا۔ "اُن کا بہروپ بھرنا بھی آسان نہیں، کوئی شخص اگر نقل کرنے کے لیے بھی مولانا فریدیؒ بننا چاہے تو کامیاب نہ ہو سکے گا"۔

اللہ تعالیٰ اُن کے مراتب بلند کرے، اپنی خاص رحمتوں سے مالامال فرمائے اور ہمیں توفیق دے کہ اُن کے نام کو اور کام کو زندہ رکھ سکیں۔ آمین۔

نثار احمد فاروقی

دہلی
۹ رجمادی الاولیٰ ۱۴۲۳ھ

سوانح

حضرت الحاج مولانا مفتی نسیم احمد فریدی رحمۃ اللہ علیہ

ولادت:

آپ ستمبر ۱۹۱۱ء[1] (موافق ۱۳۲۹ھ ہجری) میں اپنے جدّی مکان واقع محلہ جھنڈہ شہید امروہہ میں متولد ہوئے۔ سلسلۂ نسب ۲۲ واسطوں سے شیخ الاسلام حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر اجودھنی رحؒ سے متصل ہوتا ہے اور ۴۶ واسطوں سے امیر المومنین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے۔ آپ کے ننھیال کا سلسلہ حضرت مخدوم ابوالفتح سید عبداللہ معروف بہ شاہ ابن بدر چشت کرمانی الامروہوی رحؒ کے واسطے سے حضرت امام علی رضا رضؓ سے متصل ہوتا ہے۔ حضرت شاہ ابن بدر چشت رحؒ کے اخلاف میں امروہہ کے مشہورِ آفاق خانوادۂ اطبار کے ایک لائق و فائق طبیب حکیم سید احمد حسن رضوی مرحوم آپ کے حقیقی نانا تھے۔

ابتدائی تعلیم و تربیت:

۱۹۱۴ء میں جب کہ آپ صرف ڈھائی سال کے تھے آپ کے والد ماجد مولوی حسین احمد فریدیؒ کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ آپ کی تمام تر پرورش اور نشو و نما والدۂ ماجدہؒ اور ہمشیرگان کے ہاتھوں ہوئی، خاندانی رواج کے مطابق ابتدائی تعلیم و تربیت اپنے گھر پر حاصل کی، قرآن مجید پڑھنے کے بعد دینیات کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ آپ شروع ہی سے نہایت ذہین و فطین اور پڑھنے لکھنے کے بیحد شوقین تھے۔ غیر معمولی قوت حافظہ کے مالک تھے بچپن میں کسی قسم کے لہو و لعب میں مشغول نہیں ہوئے۔ ہمیشہ علم سے اشتغال رکھا۔ پہلے آپ کو پرائمری اسکول پیرزادہ امروہہ میں داخل کیا گیا جہاں سے منشی نسیم احمد صاحب مرحوم کے زمانے میں پانچواں درجہ پاس کیا۔ پھر ڈسٹرکٹ بورڈ مڈل اسکول میں داخل ہوئے۔ تین سال بعد ۱۹۲۶ء میں ہندی مڈل امتیاز کے ساتھ پاس کیا اور اگلے سال انگریزی مڈل بھی پاس کر لیا اس کے بعد

[1] مہینہ اور سنہ صحیح ہے۔ تاریخ تحقیق طلب ہے۔

مدرسہ نورالمدارس امروہہ سے منشی، منشی کامل، مولوی اور اعلیٰ قابلیت کے امتحانات امتیاز کے ساتھ پاس کیے۔ فارسی کی اکثر تعلیم منشی عبدالرب شکیب امروہویؒ سے حاصل کی۔ اعلیٰ قابلیت کے امتحانات میں منشی عزیز احمد عزیز امروہویؒ سے استفادہ کیا۔ آپ کو بچپن سے ہی شعروشاعری اور تقریر کرنے کا شوق رہا۔ ننھیال کے ایک عزیز ابوالنظر حکیم سید طفیل حسن رضوی مرحوم کے مکان میں اکثر نشست رہتی تھی۔ حکیم صاحب مرحوم نہایت ذہین و ذی علم طبیب اور بلند پایہ ادیب تھے۔ اُن کی صحبت میں آپ کا علمی و ادبی ذوق نکھرا۔ اسی زمانے میں آپ نے اپنی کنیت ابوالسحر رکھی۔ شروع میں امداد تخلص تھا مگر اپنے استاد منشی عبدالرب شکیب مرحوم کے مشورے سے فریدی تخلص رکھا۔ شکیب صاحب سے شعروشاعری میں بھی مشورہ لیا۔ شاعری میں منشی عزیز احمد عزیز امروہی تلمیذ مضطر خیرآبادی (جو امیر مینائی کے شاگرد تھے) سے تلمذ حاصل کیا۔ خود مشاعرے منعقد کرانے اور مشاعروں میں شرکت کرنے کا شوق تھا۔ اس زمانے میں بعض غزلیں کہیں، لیکن کچھ عرصے بعد نعت و منقبت میں طبع آزمائی شروع کی اور مدت العمر اسی سے شغف رہا۔

تحصیلِ علوم:

عربی کی باقاعدہ تعلیم شروع کرنے سے پہلے آپ تقریباً ایک سال تک مدرسہ عربیہ دارالعلوم چلّہ امروہہ میں فارسی کے مدرس رہے۔ پھر مدرسہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ میں داخلہ لیا۔ حضرت مولانا سید رضا حسن رضوی امروہیؒ (داماد و برادرزادۂ حضرت مولانا احمد حسن محدّث امروہیؒ) اور مولانا انوارالحق عباسیؒ سے حدیث، تفسیر، فقہ اور دیگر علوم متداولہ کی تحصیل کی۔ مولانا انوارالحق عباسیؒ سے خصوصی طور پر علم فرائض سیکھا۔ حضرت مولانا حافظ عبدالرحمٰن صدیقی مفسر امروہیؒ سے قدوری پڑھنے کا شرف حاصل کیا۔ مدرسہ جامع مسجد امروہہ میں موقوف علیہ تک تعلیم حاصل کرکے بلکہ بیضاوی اور ترمذی شریف تک پڑھ کر ۱۳۵۳ھ ہجری میں دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور دورۂ حدیث کی تکمیل کی۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، حضرت مولانا اعزاز علیؒ، حضرت مولانا میاں اصغر حسین دیوبندیؒ، حضرت مولانا محمد ابراہیم بلیاویؒ، حضرت مولانا مفتی محمد سہول

بھاگل پوریؒ، حضرت مولانا مفتی ریاض الدین افضل گڑھیؒ (مولانا معین الدین ناظم کتب خانہ نواب شروانی کے والد ماجد) اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ سے حدیث شریف کے اسباق پڑھے، کچھ تجوید حضرت قاری عبدالرحمٰن مکیؒ کے شاگرد حضرت مولانا قاری حفظ الرحمٰن پرتاپ گڑھیؒ سے پڑھی۔ ۱۹۳۶ء میں حضرت مولانا احمد علی مفسر لاہوریؒ کے حلقۂ درسِ قرآن میں تین ماہ شریک رہ کر سند حاصل کی۔ لاہور کے زمانۂ قیام میں ایک جماعت کے ساتھ ڈاکٹر محمد اقبال سے بھی ملاقات کی اور انھوں نے جاوید منزل میں اس جماعت سے تقریباً ایک گھنٹہ تک گفتگو کی۔ پھر آپ لاہور سے دیوبند واپس آئے اور ادب کی کتابیں متنبی، حماسہ، سبعہ معلقہ اور اس کے ساتھ ساتھ مفتاح العروض وغیرہ عروض کی کتابیں پڑھیں۔ مولانا حکیم محمد عمر قاسمی دیوبندی سے طب کی کتاب شرح اسباب بھی پڑھی۔ اگلے سال معقولات کی کتابیں پڑھنے کا ارادہ تھا۔ لیکن درمیان سال میں حضرت مولانا محمد منظور نعمانی مرحوم کی ایماء سے صدر مدرس کی حیثیت سے بریلی کے مدرسہ اشفاقیہ سے متعلق ہوگئے، اور وہاں تقریباً چار سال تک کتب حدیث خصوصاً بخاری شریف کا درس دیا۔ اسی زمانے میں رسالہ الفرقان بریلی سے بھی تعلق پیدا ہوا۔ ۱۹۴۲ء میں بعض خانگی حالات سے مجبور ہو کر بریلی کی ملازمت ترک کر دی اور مدرسہ عربیہ جامع مسجد امروہہ میں مدرس مقرر ہوئے۔ مدرسہ جامع مسجد امروہہ میں ۳۲ سال تک درس و تدریس کے فرائض بخوبی انجام دیے۔ حضرت مولانا عبدالقدوس ابن حضرت مولانا حافظ عبدالرحمٰن صدیقی مفسر امروہیؒ صدر مدرس کے ۱۹۶۷ء میں وفات پا جانے کے بعد حضرت مولانا فریدیؒ صدر مدرس کے عہدے پر کام کرتے رہے اور یہ سلسلہ وفات سے ۸۔۱۰ سال پہلے تک باقی رہا۔ ۱۹۷۳ء میں نزول الماء کا آپریشن ہوا، جو کامیاب نہ ہو سکا۔ بصارت ظاہری سے معذور ہو جانے کے بعد مدرسہ جامع مسجد امروہہ کی اعزازی خدمت انجام دی۔ آخر عمر تک مسجد محلہ جھنڈہ شہید میں طالبان علم کو برابر عربی و فارسی کا درس دیتے رہے، فتویٰ نویسی اور علم فرائض کی خدمات بھی تا دمِ آخر انجام دیں۔ ہر سال رجب کے مہینے میں طلباء کو موطا امام مالکؒ کا درس دینا معمولات میں سے تھا۔

۱۹۴۵ء سے تاحیات امروہہ کی تبلیغی جماعت کے امیر رہے۔ ہر جمعرات کو قبل نمازِ عصر جامع مسجد جاکر تبلیغی جماعت کی تشکیل و تنظیم فرماتے تھے اور بعد عشاء واپس ہونا ہمیشہ کا معمول رہا۔

بیعت وارادت:

تقسیم ہند کے بعد شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سے اعظم پور باسٹہ کے قریب نواب ساجد حسین خاں صاحب سنبھلی کے فارم کے ڈیرے میں بیعت ہوئے، حضرت مولانا مدنیؒ اس وقت وہاں تشریف رکھتے تھے، حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا قدس سرہٗ سے تعلق بیعت وارادت قائم کیا۔ ہر سال رمضان المبارک کے آخری عشرے میں سہارنپور پہنچ کر حضرت شیخ الحدیث سے ملاقات کرنا معمولات میں سے تھا۔ حضرت شیخ الحدیث نے اجازت و خلافت سے بھی سرفراز فرمایا۔ آپ کو حضرت مولانا فتح محمد میواتیؒ (خلیفہ حضرت شاہ عبد القادر رائے پوریؒ) اور حضرت حافظ مقبول حسن صاحبؒ (خلیفہ مُجاز حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ) سے بھی اجازت حاصل تھی۔ اکثر لوگ آپ سے بیعت ہونے کے لیے اصرار کرتے تھے مگر آپ اپنے مرشد زادوں سے اُن کو بیعت کرادیتے تھے۔ خود کسی کو بیعت کرنے کا اب تک علم نہیں ہو سکا۔

خصائل:

آپ اوائلِ عمر ہی سے متبع شریعت و سنت، پابندِ صوم و صلوٰۃ، نیک، صالح، متقی باحیا، خلیق و مہذب، نرم دل، سنجیدہ، بُردبار اور علم دوست تھے، طبیعت میں عاجزی و انکساری، مسکینی و فروتنی، خلوص و مروت، ایثار و سلوک، شفقت و ترحم، سخاوت، قناعت اور توکل و استغناء تھا، لباس و طعام میں کسی طرح کا کوئی تکلف نہ تھا۔ اکثر پھٹے ہوئے کپڑے اور ٹوٹی ہوئی جوتیاں پہن لیتے تھے، راستے میں ہمیشہ نظر نیچی کر کے چلتے

تھے، اور آنے جانے والوں کو کثرت سے سلام کرتے تھے۔ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ راستے میں کاغذ کا لکھا ہوا کوئی پرزا پڑا ہوا ملا ہو اور آپ نے ادب سے اُس کو اٹھا کر کسی جگہ محفوظ نہ کیا ہو۔ اِسی طرح کھانا بھی نہایت سادہ کھاتے تھے۔ مرغن غذائیں بالکل مرغوب نہیں تھیں۔ کھٹی اور چٹ پٹی چیزوں کا شوق تھا۔ چٹنی اور چاول زیادہ پسند تھے اور اکثر یہی غذا استعمال فرماتے تھے۔ حتیٰ کہ مہمان کی تواضع بھی اِسی کھانے سے ہوتی تھی۔

آپ کی آمدنی قلیل تھی مگر اپنی آمدنی کا بیشتر حصّہ اپنے دو مجذوب اور مغلوب الحال بھائیوں اور بھتیجوں پر خرچ کر دیتے تھے، جب تک بصارت رہی اپنے دو بڑے بھائیوں کی ہر خدمت اپنے ہاتھوں سے کرتے تھے۔ غالباً اِسی وجہ سے شادی نہیں کی اور تمام عمر ترک و تجرد کی حالت میں بڑی پاکبازی سے گزاری۔ آپ کی زندگی کے لیل و نہار دین اور علم کی خدمت کے لیے وقف ہو گئے تھے۔ آپ کی پوری زندگی ایک عظیم مجاہدین کی زندگی تھی ۱۳۸۱ھ ہجری میں آپ حج و زیارت حرمین شریفین سے بھی مشرف ہو گئے۔

آپ کے معمولات:

آپ ایک عالم باعمل تھے۔ آپ کے تمام تر معمولاتِ زندگی شریعت و سنّت کے عین مطابق تھے، ہمہ وقت باوضو رہتے اور نماز پنجگانہ باجماعت ادا کرتے تھے۔ شب کے آخری حصّے میں بیدار ہو کر تہجد پڑھتے، اشراق، چاشت اور اوّابین نیز رمضان المبارک میں اپنی مسجد میں اعتکاف معمولات میں سے تھا۔ تلاوتِ قرآن بکثرت کرتے تھے۔ رمضان المبارک کے روزوں کے علاوہ ۱۵ر شعبان، یوم عرفہ اور یوم عاشورا کے روزے رکھنا ہمیشہ معمول رہا روزانہ بعد نماز فجر اور بعد نمازِ مغرب استغفار اور درود شریف کی تسبیحات پڑھتے تھے۔ زوالِ بصارتِ ظاہری کے بعد مسجد محلّہ جھنڈہ شہید میں قیام رہتا تھا۔ مسجد کے ایک حجرے میں ضروری اور خاص کتابیں رکھ لی تھیں اور دن رات کا زیادہ تر وقت مطالعہ اور تصنیفی کاموں میں گزارتے تھے۔ کتابوں سے اُنس تھا۔ اور ان کی حفاظت کا بڑا خیال کرتے تھے۔ کتابوں کو پڑھوا کر سننا اور مضامین کا املا کرانا تا دمِ آخر مشغلہ رہا۔

صبح سے رات گئے تک شہر اور بیرون شہر کے سیکڑوں افراد اپنے معاملات مشکلات اور مسائل لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور آپ ان کی باتوں کو خندہ روئی اور ہمدردی کے ساتھ بغور سنتے اور ان کو نہایت احتیاط و اعتدال کے ساتھ صحیح و صائب مشورے سے نوازتے تھے۔ اکثر مرد و عورت دعا کرانے کی غرض سے حاضر ہوتے اور مریضوں کے لیے پانی پڑھوا کر لے جاتے اور اللہ تعالیٰ اُنھیں شفا دیتا تھا۔ باوجود اصرار کے تعویذ کسی کو نہ لکھتے تھے، اکثر عقیدت مند تحائف لاتے اور آپ ان کو حاضرین مجلس، طلبہ وخدام اور عزیز و اقارب میں تقسیم کر دیتے تھے، بعض مرتبہ فتوحات بھی ہوتی تھیں مگر آپ اُن کو اپنے اوپر خرچ نہ کرتے تھے۔ یہ رقم اکثر و بیشتر بیواؤں، حاجت مندوں، سائلوں اور طالب علموں پر خرچ کر دیتے تھے۔ مساجد اور مدارس کا قیام آپ کی زندگی کا مقصد بن گیا تھا۔ چنانچہ شہر و بیرونِ شہر مضافات و دیہات میں اکثر مساجد و مدارس کا سنگِ بنیاد رکھا۔ رمضان المبارک میں مدارس کے ہر سفیر کو اپنی جیبِ خاص سے کچھ نہ کچھ مالی امداد ضرور دیتے تھے، اکثر بڑے مدارس کی مجالس شوریٰ کے رکن تھے۔ آپ نہایت بلند حوصلہ اور عالی ہمّت تھے معذوری اور کمزوری کے باوجود کثرت سے سفر کرتے تھے۔ بمبئی حیدرآباد، دہلی، میرٹھ، مظفر نگر، پُھلاوَدہ، پُھلَت، نانوتہ، کھتَولی، منصور پور، میران پور، جانسٹھ، تھانہ بھون، کاندھلہ، مرادآباد، سنبھل، رامپور، لکھنؤ، رائے بریلی، سیتاپور، الہ آباد، سہارن پور، دیوبند، گنگوہ وغیرہ کا اکثر سفر ہوتا تھا، ضلع مرادآباد، بجنور اور رام پور کے دیہاتوں میں دور دور تک سفر کرنا بھی معمول تھا۔ آپ علمی تحقیق و جستجو کے لیے زیادہ تر سفر فرماتے تھے، آپ کے اس ذوق تلاش و تحقیق کی بدولت بعض نہایت اہم علمی نوادر منظرِ عام پر آئے اور تحقیق کے بعض نئے گوشے اہلِ علم کے سامنے آئے۔

ذوقِ شاعری:

آپ کے اندر شعر گوئی کی صلاحیت خداداد تھی۔ طبیعت موزوں اور ذہن رسا پایا تھا۔ تمام اصنافِ شاعری میں طبع آزمائی کی۔ آپ کا کلام نہایت معیاری ہوتا تھا نعت و

منقبت آپ کا خاص میدان تھا۔ آپ نے بڑے ہی پرسوز، عاشقانہ و والہانہ انداز میں نعتیں کہی ہیں جو "از دل خیزد وبر دل ریزد" کا مصداق ہیں۔ آپ کا اکثر نعتیہ کلام رسالہ الحرم میرٹھ، نظام کانپور، الفرقان لکھنؤ، القاسم دیوبند اور دُرِ مقصود امروہہ وغیرہ رسائل میں شائع ہوا، آپ کا یہ مجموعۂ کلام جناب نورؔ امروہوی کی توجہ سے شائع ہو رہا ہے۔

ذوق تصنیف و تالیف :

تصنیف و تالیف آپ کا سب سے بڑا مشغلۂ حیات تھا پچاس سال سے زائد عرصے تک مختلف موضوعات پر علمی و تحقیقی مضامین قلمبند کیے۔ اس عرصے میں اکثر و بیشتر مضامین رسالہ الفرقان لکھنؤ میں شامل ہوئے۔ آپ کا اُسلوبِ نگارش منفرد تھا، آپ ایک صاحبِ طرز ادیب و انشاء پرداز تھے۔ آپ کو حدیث، فقہ، تفسیر، تاریخ، تصوّف، علم رجال، علم انساب اور علم لغت میں نہایت وسیع معلومات تھیں، آپ بہترین مترجم و مؤلف تھے بزرگوں کے مکتوبات وملفوظات کی تلخیص اور ترتیب و تدوین کا خاص ملکہ تھا، عصرِ حاضر میں امام ربّانی مجدّد الف ثانیؒ کے کارِ تجدید اور فکرِ ولی اللّٰہی کے رمز شناس تھے۔

تجلیاتِ ربّانی، مکتوباتِ معصومیہ، سفر نامۂ حجاز، تذکرہ حضرت خواجہ باقی باللہؒ دہلوی وصایا شیخ شہاب الدین سہروردیؒ، تذکرہ شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ مکتبۂ الفرقان میں طبع ہو کر شائع ہو چکی ہیں۔ چند کتابیں زیرِ طبع ہیں۔ ان کے علاوہ مکتوبات اکابر دیوبند، فرائد قاسمیہ مکتوبات حضرت شاہ ولی اللہ محدّث دہلویؒ، مکتوبات سید العلماء (حضرت مولانا احمد حسن محدّث امروہویؒ) وغیرہ کتابیں بھی آپ کی یادگار ہیں، الحمد للہ کہ مولانا فریدیؒ کی یہ سب شائع ہو چکی ہیں، بقیہ کتابوں کے لیے کام ہو رہا ہے۔ علاوہ ازیں آپ نے مختلف اوقات میں جو مضامین تحریر کیے ان کی تعداد بھی کئی سو تک پہنچے گی۔ ۱۹۸۱ء میں صدر جمہوریہ ہند نے آپ کو فارسی کی سندِ اعزاز اور انعام سے بھی نوازا تھا۔

مرض الموت اور وفات :

شعبان ۱۴۰۸ھ سے علالت کا سلسلہ شروع ہوا۔ اسی حالت میں رمضان المبارک

کے پورے روزے رکھے اور تراویح پڑھیں۔ رمضان المبارک میں ۲۔۳۔ مرتبہ بخار آیا، عید کے بعد کمزوری محسوس ہونے لگی اور پھر بخار کا سلسلہ شروع ہوگیا، ایک ماہ سے زائد سخت علالت کے بعد رو بصحت ہوئے اور اپنے معمولات کے مطابق وقت گزارنے لگے۔ اِس دوران یونانی علاج جاری رہا۔ کچھ عرصے بعد پھر مرض عود کر آیا۔ سینے پر بکثرت بلغم بننے لگا اور حرارت قائم ہوگئی جب یونانی علاج سے فائدہ نہ ہوا تو ڈاکٹری علاج شروع کیا گیا۔ ڈاکٹر نے ورم جگر اور گردوں کی کمزوری تجویز کی جس کا ایک ماہ سے زائد علاج کیا گیا مگر کوئی خاص فائدہ نہیں ہوا۔ ضعف و نقاہت اس درجہ بڑھ گئی کہ پلنگ پر کروٹ بدلنا بھی مشکل تھا لیٹے لیٹے باجماعت نماز ادا کرتے تھے۔ صبح سے شام تک سینکڑوں عقیدت مند عیادت کے لیے آتے تھے، اور آپ اُن سب سے گفتگو اور مصافحہ کرتے تھے، ہوش و حواس آخر وقت تک درست تھے، دورانِ علالت کتابیں بھی سنیں اور خطوط کا جواب بھی املا کرایا۔ بستر علالت پر انتقال سے ۲۔۳ دن پہلے جو کتاب مولانا محب الحق صاحب سے پڑھوا کر سنی وہ مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی کتاب "قبلہ نما" تھی۔

انتقال کے دن ایک گھنٹہ پہلے مولانا محب الحق صاحب سے فرمایا کہ مولانا گنگوہیؒ تشریف لائے تھے —— آپ کو اپنی موت کا یقین ہوگیا تھا۔ چنانچہ دورانِ علالت ایک دن فرمایا کہ مجھے الہامات ہو رہے ہیں اور میں اب جا رہا ہوں۔

وفات سے ایک دن پہلے طبیعت کو کچھ سکون محسوس ہوا، سہ پہر اور شب میں تکلیف میں بھی کچھ کمی سی ہوگئی۔ ۵ ربیع الاوّل منگل کے دن صبح چائے اور دوا کے ایک دو چمچے بھی لیے اس کے بعد رفع حاجت کے لیے اٹھنے کو فرمایا۔ نفیس احمد صاحب خادم خاص نے پلنگ سے نیچے اتار کر قضائے حاجت سے فارغ کرایا۔ فارغ ہوکر بہت زیادہ پانی سے طہارت کی اور پلنگ پر لیٹ گئے۔ فوراً ہی ضعف و نقاہت کی وجہ سے، ایک ہلکا قلبی دورہ ہوا اور دیکھتے دیکھتے نہایت آسانی کے ساتھ روح پرواز کر گئی۔

آپ کا وصال ۵ ربیع الاوّل ۱۴۰۹ھ ہجری مطابق ۱۸ اکتوبر ۱۹۸۸ء روز سہ شنبہ

۸ بج کر پچاس منٹ پر صبح میں ہوا۔ خبر وفات جلد ہی دور دور تک پھیل گئی۔ امروہہ اور اس کے مضافات کے لوگ جوق در جوق آنے لگے۔ مراد آباد، رام پور، سنبھل اور دہلی وغیرہ سے بھی بہت سے حضرات آئے۔ علی گڑھ اور دہلی سے آپ کے عزیز و اقارب بھی امروہہ پہنچ گئے تھے۔ آپ کی تدفین میں اہلِ امروہہ نے بڑے جوش و خروش کا مظاہرہ کیا۔ لوگوں کی کثیر تعداد اس پر مُصر تھی کہ آپ کو جامع مسجد کے صحن میں دفن کیا جائے۔ عزیز و اقارب آپ کو خاندانی قبرستان میں دفن کرنا چاہتے تھے۔ اس معاملے میں بار بار تکرار ہوئی۔ بالآخر حضرت مولانا سید اسعد مدنی زید مجدہم کے مشورے سے آپ کو مسجد محلہ جھنڈہ شہید کے ایک حجرے میں دفن کرنا طے پایا۔ بعد نماز عشاء ہزارہا ہزار لوگوں کے مجمع کے ساتھ حضرت مولانا سید اسعد مدنی زید مجدہم نے جامع مسجد میں نماز جنازہ پڑھائی۔ جنازہ جامع مسجد سے شہر کے اندر ہوتا ہوا مدفن تک لایا گیا جس میں ۱۵۔۲۰ ہزار سوگواروں اور عقیدت مندوں کا ایک ازدحام تھا عورتیں اور مرد زار و قطار روتے ہوئے آتے تھے، سیکڑوں لوگوں کے جوتے راستے میں رہ گئے۔ صبح میں سڑکوں پر کئی جگہ جوتوں کے ڈھیر دیکھے گئے۔ شب میں ۱۰ بجکر چالیس منٹ پر آپ کی تدفین عمل میں آئی۔

ایک خواب:

حضرت مولانا فریدیؒ کی وفات سے ۲، ۳ دن پہلے ایک صاحب نے خواب میں دیکھا کہ طالب علموں کا ایک مجمع کسی چیز کی تلاش کر رہا ہے اُنھوں نے دریافت کیا کہ کیا چیز ڈھونڈ رہے ہو اس پر طالب علموں نے جواب دیا کہ "ایک موتی کھو گیا ہے ہم اس کو تلاش کر رہے ہیں۔"

انیس احمد فاروقی

حمد[1]

کسی کا حسنِ دل افروز ہے سارے نگاروں میں
حسینوں میں جہاں کے، گلرخوں میں، ماہ پاروں میں

یہ ہے نورِ ازل جس کی تجلّی رقص کرتی ہے
قمر میں، مہر میں، بجلی میں، جگنو میں، ستاروں میں

اُسی صانع کی ہیں نیرنگیاں جو رنگ لاتی ہیں
نہالِ باغ میں، صحنِ چمن میں، سبزہ زاروں میں

---

[1] یہ حمد انجمن نورِ ادب امروہہ کے سالانہ مشاعروں کا انتخاب مسمیٰ "شعرستان"، مرتبہ مختار احمد صدیقی صاحب اَن پڑھ امروہوی میں ۱۹۳۶ء میں چھپ چکی ہے۔

اُسی کو یاد کرتی ہیں، اُسی کی مالا جپتی ہیں
یہ چڑیاں شاخساروں میں، چکوریں کوہساروں میں

اُسی کے شوق میں ہے اضطراب و گریۂ پیہم
سمندر میں، مسلسل بارشوں میں، آبشاروں میں

نہاں ہے اِک صدائے سرمدی و صوتِ لاہوتی
ربابِ جاں کے ہر پردے میں، سازِ دل کے تاروں میں

کیا جس نے مجھے لاشئے سے شئے اور خلق فرمایا
فریدیؔ ہوں اُسی کے فضل کے اُمیدواروں میں

سید المرسلین، خاتم النبیین،
رحمۃ للعلمین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

❁

ہوا عشق جس کو حبیبِ خدا سے
خدا کی قسم وہ مِلا کبریا سے

مِرا دل تڑپتا ہے دیکھوں مدینہ
صبا جا کے کہنا شہِ دوسرا سے

تمھاری جدائی میں جینا ہے مشکل
کوئی کہہ دے اتنا حبیبِ خدا سے

بلا لو مجھے اپنے قدموں میں آقا
کہ بچ جاؤں میں آسماں کی جفا سے

نہیں آپ کا حُسن میں کوئی ثانی
یہ ثابت ہوا سُورۂ والضحیٰ سے

ہے کُحلُ البصر خاکِ کوئے مدینہ
ہوا آبِ زمزم ہے آبِ بقا سے

کہا سب رسولوں نے جب "نفسی نفسی"
تو کہتے سُنا "اُمّتی" مصطفےٰؐ سے

تجھے بخشوائیں گے اِمداد حضرت
عبث کا نپتا ہے تو روزِ جزا سے

یہ نعت ۲۸ر فروری ۱۹۲۷ء کو لکھی گئی۔

برمصرعۂ طرح: ہے کلامِ حق کلام و گفت گوئے مصطفےٰ ﷺ

یہ عمل کرتے ہیں مشتاقانِ کوئے مصطفےٰ ﷺ
رُخ بسوئے کعبہ اُن کا، دل بسوئے مصطفےٰ ﷺ

سورۂ والشّمس کی تفسیر روئے مصطفےٰ ﷺ
معنیِ واللّیل زلفِ مُشک بوئے مصطفےٰ ﷺ

سب صحابہؓ سے عیاں ہے رنگ و بوئے مصطفےٰ ﷺ
چار اُن میں خاص کر، تصویرِ خوئے مصطفےٰ ﷺ

لہ یہ نعت کتابچہ "محفلِ نعت میاں موجؒ کی درگاہ میں ہے" شمارہ ۸ (۱۴۰۱ھ/۱۹۸۱ء) میں
ئع ہو چکی ہے۔

اُن کی اُمّت باعمل ہو، ایک ہو اور نیک ہو
یہ تھی پیہم اور مُسلسل آرزوئے مصطفےٰ

برگِ گُل میں جس طرح سے بوئے گُل پوشیدہ ہے
یوں حدیثِ پاک میں مُضمر ہے خوئے مصطفےٰ

صدقِ دل سے جس نے دیکھا اُن کا شیدا ہو گیا
ایک تو صورت حسین، پھر حُسنِ خوئے مصطفےٰ

جانتا ہے آج بھی شیخین رہتے ہیں حضور کے پاس
غیر پھیر کس منھ سے جائے روبروئے مصطفےٰ

مشغلہ ہے اہلِ دل کا ہر گھڑی اور روز و شب
جستجوئے راہِ حق اور جستجوئے مصطفےٰ

یہ فریدی کی تمنّا ہے کہ جائے پھر وہاں
یاد آتی ہے اُسے رہ رہ کے کوئے مصطفےٰ

❀

مصرعۂ طرح : قرآں کا سبق دینے اُمّی لقبی آیا

فاران کی چوٹی پر اُمّی لقبی آیا
توحید کو پھیلانے مکّی مَدنی آیا

اک دم میں مٹا ڈالی سب کفر کی تاریکی
بن کر شبِ یلدا میں نورِ سحری آیا

جاتا رہا دردِ دل تسکین ہوئی حاصل
جو در پہ ترے بہرِ درماں طلبی آیا

صدقے تری رحمت کے سیراب کیا مجھ کو
جب میں ترے کوثر پہ با تشنہ لبی آیا

عالم کو سبق دینے تہذیب و تمدّن کا
حکمت گہہِ بطحا میں اُمّی لقبی آیا

نورِ ازلی چمکا، بام و درِ کعبہ پر
جب اوجِ رسالت پر مہرِ عربی آیا

جذباتِ فریدی میں اک وجد ہوا پیدا
جب چشمِ تصوّر میں دربارِ نبی آیا

۱۹۳۲ء میں حضرت فریدی کے مردانے مکان میں ایک نعتیہ مشاعرہ ہوا تھا جس میں یہ نعت پڑھی گئی تھی۔

❁

آستانِ خیرُالوریٰ کا مل گیا
بے ٹھکانوں کو ٹھکانا مل گیا

دید کے قابل ہیں وہ آنکھیں جنھیں
سبز گنبد کا نظارہ مل گیا

کشتیِ دل جب پھنسی منجدھار میں
اُن کی رحمت کا سہارا مل گیا

اہلِ دل کے خواب ہیں جاگے نصیب
موقعِ دیدارِ آقاؐ مل گیا

جو بھی تھا حُبِّ صحابہ کا امین
اُس کے دل سے دل ہمارا مل گیا

ہجر میں حاصل ہے ہم کو وصلِ دوست
دل سے جب اُس کو پکارا مل گیا

آ گئے ہیں سبز گنبد کے قریب
دل کو جلووں کا سہارا مل گیا

اے فریدی چشمِ مُرشد کے طفیل
دل کو شُغلِ جام و مینا مل گیا

❁

برطرح : رحمت ہے سراپا رحمت ہے پیغمبرِ خاتم ؐ کیا کہنا

وہ زلفِ معنبر صلِّ علیٰ، وہ روئے معظّم کیا کہنا
وہ آنکھ کہ جس پر صدقے ہیں صد کوثر و زمزم کیا کہنا

احسان و کرم کا مجموعہ، اخلاقِ مجسّم کیا کہنا
رحمت ہے، سراپا رحمت ہے، پیغمبرِ خاتم ؐ کیا کہنا

خاموش دعاؤں میں شب کی، وہ گریۂ پیہم کیا کہنا
وہ پھول سے چہرے کے اوپر کیفیّتِ شبنم کیا کہنا

بھٹکی ہوئی دنیا میں پھر سے توحید کی عظمت قائم کی
یہ ہمّتِ عالی کیا کہنا، یہ کوششِ محکم کیا کہنا

آیا ہے تصوّر میں میرے سرکارؐ کے روضے کا منظر
اک وجد سا ہے، اک کیف سا ہے، جذبات کا عالم کیا کہنا

اُس چہرۂ انور سے ظاہر، صنّاعِ ازل کا جلوہ ہے
اُس چہرے کے آگے نورِ قمر ہو جاتا ہے مدّھم کیا کہنا

ہیں قصرِ خلافت کے بےشک، ارکان فریدی یہ چاروں
صدیقؓ و عمرؓ، عثمانِ غنیؓ اور حیدرؓ اعظم کیا کہنا

✿

طرح : ہفت افلاک کے سر ہو گئے خم آج کی رات

عرشِ اعظم پہ گئے شاہِ اُممؐ آج کی رات
حور و غلماں نے لیے بڑھ کے قدم آج کی رات

فرطِ عظمت سے جھکے لوح و قلم آج کی رات
عرش و کرسی پے تعظیم ہیں خم آج کی رات

ہر دو عالم کی فضا نور سے معمور ہوئی
ذرّہ ذرّہ پہ ہے تنویرِ حرم آج کی رات

اللہ اللہ یہ عُلو اور یہ شوکت اُن کی
ہفت افلاک کے سر ہو گئے خم آج کی رات

نازشِ طور ہے بطحا کی زمیں کیا کہنا
کتنی پُر نور ہے قندیلِ حرم آج کی رات

بارشِ جلوہ ہوئی بام و درِ کعبہ پر
نور سے بھر گئی آغوشِ حرم آج کی رات

درگہِ ناز سے رحمت کے خزانے لے لو
چشمِ سرکار ﷺ ہے مائل بہ کرم آج کی رات

لائے اُمت کے لیے عرش سے تحفے میں نماز
گئے معراج کو جب شاہِ اُمم ﷺ آج کی رات

ذکرِ آقا ﷺ کا کریں آؤ فریدی ہم بھی
کتنی پُر کیف ہے خالق کی قسم آج کی رات

مطبوعہ رسالہ ماہنامہ الحرم میرٹھ۔ شمارہ رجب ۱۳۷۵ھ مطابق فروری ۱۹۵۶ء

❀

عظمتِ مصطفےٰ پہ تُو جان کو بھی نثار کر
بن کے غلامِ شاہِ دیں عشق کو اختیار کر

آئینۂ عمل میں دیکھ عکسِ جمالِ اتقیاء
حُسنِ خلوص کو دکھا، زلفِ یقیں سنوار کر

اُمتِ مصطفےٰ کے ساتھ کیوں ہیں یہ سرد مہریاں
کہتی ہے مومنوں سے آج روحِ عمرؓ پکار کر

کرمکِ شمع سے تو سیکھ عشق کی گرم جوشیاں
طوفِ حریمِ مصطفےٰ شوق سے بار بار کر

٭

یہ بزمِ نعتِ محبوبِ خدا ہے
یہاں جنت کا نقشہ کھنچ رہا ہے

نبیؐ کی وسعتِ اخلاق دیکھو
کہ حق میں منکروں کے بھی دعا ہے

مدینہ جو دیارِ مصطفےٰؐ ہے
مریضِ ہجر کا دارالشفاء ہے

متاعِ دردِ دل کا ذکر کیا ہے
یہ ایماں بھی عطائے مصطفےٰؐ ہے

یہ اُمّت، اُمّتِ خیرالورٰی ہے
عزیزِ شافعِ روزِ جزا ہے

میانِ منبر و قبرِ مبارک
ریاضِ خُلد کا منظر کھُلا ہے

یہ کون آیا کنارِ حوضِ کوثر
ارے یہ شافعؐ روزِ جزا ہے

بہاروں پر بہاریں آ رہی ہیں
مدینہ گلشنِ دل میں بسا ہے

نبیؐ کے جانشیں صدّیقِ اکبرؓ
بڑا رتبہ اُنھیں حق سے ملا ہے

سراپا عدل وہ فاروقِ اعظمؓ
کہ شیطاں جن کے ڈر سے کانپتا ہے

حیا و حلم کا پیکر ہے عثمانؓ
جو ذوالنُّورین ہے، جانِ وفا ہے

علیؓ مرتضیٰ اللہ اکبر
شجاع و صفدر و خیبر کُشا ہے

فریدیؔ یاد آتا ہے مدینہ
وہ مرکز نور کا صبح و مَسا ہے[1]

---

[1] یہ مصرعہ یوں بھی ہے : وہاں جنّت ہی جنّت برملا ہے

بختِ خفتہ جاگ اُٹھے میرا بہ فیضانِ رسولؐ
خواب میں گر دیکھ لوں میں روئے تابانِ رسولؐ

معرفت کے پھول ہیں اِس میں تو کلیاں عشق کی
حشر تک پھولے پھلے یارب گلستانِ رسولؐ

خواجۂ اجمیرؒ اور قطبؒ و فریدؒ و بدرِ چشتؒ
سب کے سب ہیں در حقیقت زیرِ دامانِ رسولؐ

آج تک پھیلی ہوئی ہے روشنی توحید کی
اِس طرح چمکا اُحد میں دُرِّ دندانِ رسولؐ

بچھ گئیں آنکھیں فرشتوں کی شبِ معراج میں
ہے سرِ عرشِ بریں پر بارِ احسانِ رسولؐ

شورشِ باطل نے سر اپنا اٹھایا جب کبھی
سربکف ہو کر نکل آئے غلامانِ رسولؐ

اے فریدیؔ فضلِ حق سے یہ نہیں کچھ بھی بعید
ہو اگر طیبہ میں جا کر تو بھی مہمانِ رسولؐ

یہ نعت 'درمقصود' شمارہ نمبر ۳۹ ۱۳۷۵ھ/۱۹۵۶ء میں شائع ہوئی۔

❀

شاہِ دیںؐ باعثِ تسکینِ دل و جاں کو سلام
یعنی محبوبِ خداؐ سرورِ ذیشاں کو سلام

سبز گنبد میں جو سوتا ہے بصد ناز و ادا
ایک مہجور کا اُس حسن بداماں کو سلام

صحنِ گلزار ہے دل جس کے تصوّر سے مرا
گلشنِ خُلد کے اُس سروِ خراماں کو سلام

حجرۂ عائشہؓ میں ہے مہِ تاباں جو نہاں
بصد آدابِ نیاز اُس مہِ تاباں کو سلام

جگمگا اُٹھی فضائے رُخِ کعبہ جس سے
اُسی قندیلِ حرم، ماہِ فروزاں کو سلام

زندگی جس کی غریبوں کے لیے وجہِ سکوں
اُس شہِ ہردوسرا، شاہِ غریباں کو سلام

ہے فروغ آبلہ پائی کو اُنھیں کے دم سے
وادیِ عشق کے ہر خارِ مُغیلاں کو سلام

پختہ تر ہوتے ہیں اِس راہ میں اندازِ جنوں
راہِ طیبہ کے ہر اک دشت و بیاباں کو سلام

جو سراپائے محبت تھا مجسّم دل تھا
اُسی صدّیقِ معظم رضؓ، شہِ ایماں کو سلام

جس کے انصاف کا ہے گنبدِ گردوں شاہد
اُسی فاروقِ رضؓ مہیں، عادلِ ذی شاں کو سلام

مُصحفِ پاک ہے خود جس کی شہادت کا گواہ
معدنِ شرم و حیا حضرتِ عثمانؓ کو سلام

غلغلہ ڈال دیا بدر و اُحد میں جس نے
حیدرؓ صف شکن و شیرِ نیستاں کو سلام

جعفرؓ و حمزہؓ و عباسؓ و انسؓ پر رحمت
خالدؓ پاک کو اور بوذرؓ و سلماںؓ کو سلام

آل و ازواجِ محمدؐ پہ درود و رحمت
سارے اصحابِؓ نبیؐ، مجمعِ یاراںؓ کو سلام

کاش وہ دن بھی میسّر ہو فریدی مجھ کو
عرض میں جا کے کروں سرورِ ذی شاں کو سلام

❁

برطرح : ہم سے کیا ہو گی بھلا توصیفِ ختمُ المرسلینؐ

سرورِ کون و مکاں، محبوبِ ربّ العالمینؐ
میرے آقا ساقیِ کوثر شفیع المذنبینؐ

خواجۂ کونین اور گھر میں فقط نانِ جویں
اور کبھی یہ بھی میسّر میرے آقاؐ کو نہیں

عظمتِ قرآں کا پرتَو اُن کا رخسارِ حسیں
شوکتِ کعبہ کا نقشہ اُن کی زلفِ عنبریں

آپ کا اسمِ گرامی دلنواز و دل نشیں
آپ کا ذکرِ مبارک جاں فزا و جذبہ آفریں

اے خوشا صلِ علیٰ اُن کا جمالِ دل نشیں
روحِ ایماں، روحِ دل، روحِ نظر، روحِ یقیں

جو بہاریں ہیں یہاں وہ باغِ جنّت میں نہیں
ارضِ طیبہ بے گماں ہے رشکِ فردوسِ بریں

اُس کے اک ذرّے کی قیمت گلشنِ جنت نہیں
یہ مدینے کی زمیں ہے، یہ مدینے کی زمیں

تھے ابوبکرؓ و عمرؓ عکسِ جمالِ ہم نشیں
مصطفےٰ ؐ کے جانشیں اور آج تک اُن کے قریں

مرتبہ عثمانؓ کا کیا ہو سکے مجھ سے بیاں
وہ تو ذوالنورین ہیں، اُن کا کوئی ثانی نہیں

کہہ رہی ہے اہلِ ملّت سے یہ شانِ حیدریؓ
ظلمتِ شب سے سحر کا نور دب سکتا نہیں

آج ہو آفاق میں جاری نظامِ مصطفےٰؐ
ہم اگر پیدا کریں ذوقِ عمل ذوقِ یقیں

دَورِ ماضی میرا کیا تھا، اور اب ہے حال کیا
ہے یہ دَورِ آسماں، گاہے چناں گاہے چنیں

فیضِ سرکارِ مدینہ سے فریدی بن گیا
مایۂ علم الیقیں، شایستۂ حق الیقیں

کیوں کہوں طیبہ پہنچنا مرا مقدور نہیں
جذبۂ دل کے تو نزدیک ہے، کچھ دُور نہیں

پُھول تو پھول ہیں خار و خسِ طیبہ دے کر
گلشنِ خلد کو لے لوں، مجھے منظور نہیں!

دل وہ کیا دل ہے کہ جس دل میں نہ ہو حُبِّ نبیؐ
آنکھ کیا آنکھ، جو اس کیف سے معمور نہیں

اے فریدی میں غلامِ شہِ بطحا ہو کر
پیشِ باطل کروں سر خم، مجھے منظور نہیں

✽

سبز گنبد کا بہشت افروز منظر دیکھتے
جنّتیں بکھری ہوئی دیوار و در پر دیکھتے

آنسوؤں میں اِس طرح دربارِ انور دیکھتے
جھالریں لٹکی ہوئی دیوار و در پر دیکھتے

مثلِ مورِ ناتواں ہیں، اُس پہ ہے شوقِ حرم
اے زہے قسمت اگر پائے کبوتر دیکھتے[1]

---

[1] اس کا مضمون فارسی کے اِس مشہور شعر سے ماخوذ ہے ؎

مورِ مسکیں ہوسے داشت کہ در کعبہ رَود
دست بر پائے کبوتر زَد و ناگاہ رسید

دید نی تھی رات اک مشتاقِ طیبہ کی تڑپ
کاش وہ بھی اپنے پروانے کا منظر دیکھتے

جس جگہ جلوے ہیں رقصاں جنّتیں ہیں آشکار
مسجدِ نبوی ﷺ کے وہ محراب و منبر دیکھتے

زائرانِ باغِ طیبہ سوئے طیبہ چل دیے
رہ گئے افسوس ہم، با دیدۂ تر دیکھتے

اے فریدی ہے عبث تم کو مقدّر کا گلہ
شوقِ دل پیدا تو کرتے، پھر مقدّر دیکھتے

یہ نعت ماہنامہ الحرم میرٹھ (شمارہ ربیع الاول ۱۳۷۵ھ مطابق اکتوبر نومبر ۱۹۵۵ء) میں شائع ہوئی۔

❁

برمصرعہ طرح : پہنچا ہوں مدینے میں با حالِ فقیرانہ

صد چاک ہے دل میرا شاید کہ بنے شانہ
سرکارؐ کی زلفوں کو حاضر ہے یہ نذرانہ

خمخانۂ طیبہ ہے اور گردشِ پیمانہ
اور ساقیِ کوثرؐ ہے، با لطفِ کریمانہ

اللہ غنی اُن کا اندازِ فقیرانہ
کملی سے ہویدا ہے اک شوکتِ شاہانہ

آئی ہے تصوّر میں وہ محفلِ جاں پرور
اک شمع ہے نور افگن، اور کثرتِ پروانہ

اُن آنکھوں کی عظمت پر کونین بھی صدقے ہیں
جن آنکھوں نے دیکھا ہے وہ جلوۂ جانانہ

پھولوں سے بھی اچھا ہے طیبہ کا ہر اک کانٹا
بہتر ہے یگانوں سے یاں سبزۂ بیگانہ

گر اُن کی محبت ہو، اور اُن کی اطاعت ہو
بخشش کا ملے تمغا، اور خُلد کا پروانہ

ہے عشقِ شہ بطحا، وہ جنسِ گراں مایہ
کونین کی دولت بھی جس کا نہیں بیعانہ

جو غم میں مٹا اُن کے وہ زندہ ہے، زندہ ہے
جو اُن کا ہے دیوانہ، فرزانہ ہے فرزانہ

اب کوئی کہے کچھ بھی، مطلب ہی فریدی کیا
اُن سے ہے مجھے نسبت میں اُن کا ہوں دیوانہ

❁

دولتِ ایماں ملی مجھ کو بدولت آپ کی
یہ بھی کیا کم ہے مِرے آقا ؐ عنایت آپ کی

درحقیقت عینِ ایماں ہے محبت آپ کی
وہ محبّت جس سے ظاہر ہو اطاعت آپ کی

چاند ہے شرمندہ جس سے ہے وہ صورت آپ کی
آئینہ ہے جلوۂ قرآں کا، سیرت آپ کی

آپ کے کلمات ہیں گنجِ معانی ہے نہاں
رشکِ صد سحبانِ وائل ہے بلاغت آپ کی

آپ کی تعلیم کے صدقے میں ہے ہمّت بلند
ورنہ طوفانوں کے نرغے میں ہے اُمّت آپ کی

جانتے تھے آپ کے دشمن بھی، صادق اور امین
آشکارا تھی صداقت اور امانت آپ کی

ہے دلوں پر جس کا سکّہ کائناتِ دہر میں
ایسی مضبوط اور مُحکَم ہے حکومت آپ کی

یہ خدا کی دین ہے، اور قسمتِ صدیقؓ ہے
پہلے نمبر پہ ملی اُن کو خلافت آپ کی

عدل اور انصاف کا مرکز ہے قلبِ مصطفیٰ
ہے عمر فاروقؓ میں شانِ عدالت آپ کی

حضرت عثمانؓ و حیدرؓ کی خصوصیّت ہے یہ
اِن میں ہے شانِ حیا، شانِ شجاعت آپ کی

ہے فریدی بھی درِ اقدس کا اک ادنیٰ گدا
حشر میں درکار ہے اُس کو شفاعت آپ کی

اُنھیں اِس طرح چشمِ تر ڈھونڈھتی ہے
لُٹاتی ہے موتی، جدھر ڈھونڈھتی ہے

نگاہِ محبت دمِ طوفِ کعبہ
مدینے کے دیوار و در ڈھونڈتی ہے

دیارِ مدینہ کے پُرکیف جلوے
مری آرزو سربسر ڈھونڈھتی ہے

کسی کی تجلّی بعنوانِ تازہ
نگاہِ محبت اثر ڈھونڈھتی ہے

گنہگار خوش ہوں کہ رحمت کسی کی
دلِ غمزدہ، چشمِ تر ڈھونڈھتی ہے

نسیمِ چمن زلفِ عنبر فشاں سے
وہ خوشبوے گلہاے تر ڈھونڈھتی ہے

فریدی مجھے قصرِ شاہی سے حاصل؟
مری آرزو اُن کا در ڈھونڈھتی ہے

یہ نعت قاضی محبوب احمد عباسی کے مکان واقع محلہ ملّانہ امروہہ میں پڑھی گئی۔

طرح : نبیؐ کی شان میں گوہر فشانی دیکھتے جاؤ

ذرا دریائے مدحت کی روانی دیکھتے جاؤ
نبیؐ کی شان میں گوہر فشانی دیکھتے جاؤ

دمِ آخر ہے میرے سامنے روضہ محمدؐ کا
وفورِ عشقِ احمدؐ کی نشانی دیکھتے جاؤ

نبیؐ کے عشق میں جو مر مٹا وہ ہو گیا زندہ
فنا ہو کر حیاتِ جاودانی دیکھتے جاؤ

نسیمِ خُلد کہتی ہے یہ مشتاقانِ طیبہ سے
تصوّر میں فضائے لامکانی دیکھتے جاؤ

(بفرمائش اُستادی مولوی عبدالصمّد صاحب عبّاسی بتاریخ ۲۷ر جنوری ۱۹۳۰ء)

پسِ مُردن بھی توحید و رسالت کا مُقر ہوں میں
تکلّم باوجودِ بے زبانی دیکھتے جاؤ

نبیؐ کا اُسوۂ حُسنیٰ رکھو پیشِ نظر ہر دم
مِرے آقاؐ کا طرزِ زندگانی دیکھتے جاؤ

ابوبکرؓ و عمرؓ، عثمانؓ و حیدرؓ کا عمل دیکھو
اور اِن چاروں کا عشقِ جاودانی دیکھتے جاؤ

بلاشک تھے وہ شمعِ احمدِؐ مرسل کے پروانے
صحابہؓ کے نقوشِ زندگانی دیکھتے جاؤ

فریدؔی بلبلِ باغِ ثنائے ذاتِ احمدؐ ہے
نگاہِ دل سے اُس کی خوش بیانی دیکھتے جاؤ

یہ نعت ماہنامہ الحرم میرٹھ شمارہ اگست ۱۹۵۷ء میں بھی شائع ہوئی ہے۔

❁

طرح : اللہ غنی سیرتِ آقائے مدینہ

تو چھُپ نہیں سکتا کبھی شیدائے مدینہ
آنکھوں سے عیاں ہے تری صہبائے مدینہ

اتنا مری نظروں میں سما جائے مدینہ
جس سمت بھی دیکھوں میں نظر آئے مدینہ

ہاں دل کو مرے رُوکشِ گلزار بنا دے
اے رونقِ مکّہ، چمن آرائے مدینہ

اے قیس ذرا نجد کے جنگل سے نکل کر
چل ساتھ مِرے، جانبِ صحرائے مدینہ

صد شمس در آغوش مدینے کا ہر اک دن
صد لامعۂ دُر بر شبِ یلدائے مدینہ

رشکِ گل و گلزار ہیں کانٹے بھی یہاں کے
گُلہائے مدینہ تو ہیں گلہائے مدینہ

اے کاش مدینے کی زیارت ہو میسّر
دل ہی میں نہ رہ جائے تمنّائے مدینہ

خالق کا ہے محبوب خلائق کا دل آرا
عالم کا شہنشاہ ہے دارائے مدینہ

اخلاق کی تصویر ہے رحمت کا مُرقّع
انصاف در آغوش ہے مولائے مدینہ

اعداء بھی جسے دیکھ کے خیرہ ہیں فریدی
اللہ غنی سیرتِ آقائے مدینہ

یہ نعت ۱۲ ربیع الاول ۱۳۵۱ھ کو لکھی گئی اور ’الحرم‘ میرٹھ کے شمارہ رمضان المبارک ۱۳۷۵ھ
مطابق اپریل ۱۹۵۶ء میں بھی شائع ہوئی۔

❀

سراپا چمن ہے دیارِ مدینہ
دوام آشنا ہے بہارِ مدینہ

مدینے کے پھولوں کو کیا پوچھتے ہو
رگِ گل ہے ہر نوکِ خارِ مدینہ

دلوں پر ہے جن کی حکومت کا سکّہ
زہے شوکتِ تاجدارِ مدینہ

کسی چیز کی اُس کو حسرت نہیں ہے
میسّر ہو جس کو غبارِ مدینہ

یہ مسجد، یہ منبر، یہ روضہ، یہ گنبد
ہے فردوس، ہر یادگارِ مدینہ

وہاں کی زمیں عرش سے بھی ہے اعلیٰ
جہاں دفن ہیں تاجدارِ مدینہ

تہجد، تلاوت، تضرّع، دعائیں
خوشا سعیِ شب زندہ دارِ مدینہ

حُنینؔ و تبوکؔ اور بدرؔ و اُحدؔ ہیں
صف آرا ہوئے شہسوارِ مدینہ

کیا رہ مدینہ تو یوں بھی بڑے ہیں
بڑوں سے بڑے ہیں صغارِ مدینہ

تمنا ہے عمرِ رواں اپنی گذرے
بہ ہمراہِ لیل و نہارِ مدینہ

فریدیؔ چلو چل کے روضے پہ کہنا
سلام آپ پر تاجدارِ مدینہ

✽

صلِّ علیٰ محمدؐ کتنا حسین نام ہے
جس کے جلو میں ہیں درود، مجمعِ صد سلام ہے

شکرِ خدا کہ مشغلہ اپنا یہ صبح و شام ہے
ذکرِ نبیؐ ہے اور درود، نعت ہے اور سلام ہے

آپ کا جو گدا ہوا، آپ کا جو غلام ہے
ثبت اُسی کے نام پر زندگیِ دوام ہے

میرے تصوّرات کو عجز کا اعتراف ہے
اُن کی حریمِ ناز بھی کتنی بلند بام ہے

فیضِ حدیثِ پاک سے ملتا ہے کیفِ دائمی
جیسے وہ جانِ عاشقاں مجھ سے ہی ہمکلام ہے

صدقے میں اُن کے مل گئیں دونوں جہاں کی نعمتیں
دل میں بھی اک سرور ہے، روح بھی شادکام ہے

ایک نگاہِ فیض کا کب سے ہے منتظر حضورؐ
آپ کے در کا اک گدا جس کا فریدی نام ہے

✽

جو کوئی عشقِ محمدؐ میں فنا ہوتا ہے
صاحبِ دولتِ جاوید و بقا ہوتا ہے

جس کو اللہ نے بخشی ہے نگاہِ حق بیں
عاشقِ صاحبِ لولاکَ لَمَا ہوتا ہے

جس کو کچھ نورِ بصیرت سے ملا ہے حصّہ
مدنی چاند کے جلوؤں پہ فدا ہوتا ہے

مدّعی شقِّ قمر کا جو ہے منکر تو رہے
چاند پر خاک اگر ڈالیں تو کیا ہوتا ہے

یاد جب اُن کے مصائب کی کبھی آتی ہے
دردِ تعظیم کو بہادیں کھڑا ہوتا ہے

میرا آقا کبھی کرتا ہے زِرہ زیبِ جسد
کبھی تنہائی میں مشغولِ دعا ہوتا ہے

حرمِ پاک میں آتا ہے کبھی بن کے خطیب
کبھی میدان میں سرگرمِ وغا ہوتا ہے

رہ نوردِ رہِ طیبہ ہے حقیقت میں غنی
ظاہراگرچہ وہ بے برگ و نوا ہوتا ہے

اے خوشا موت جو طیبہ میں کسی کو آئے
یوں تو دنیا میں جو آتا ہے فنا ہوتا ہے

شکوۂ تنگیِ داماں کرے کس واسطے وہ
جب بھکاری کا بلا مانگے بھلا ہوتا ہے

اے فرید! ہے حدیثِ نبویؐ میں وہ کیف
شجرِ علم و عمل جس سے ہرا ہوتا ہے

یہ نعت ۱۵ اکتوبر ۱۹۳۲ء کو لکھی گئی۔

✽

مدینے کا تصوّر آ رہا ہے
مرا دل رُو کشِ جنّت بنا ہے

شمیمِ زُلفِ اَقدس کی بدولت
مشامِ دل معطّر ہو گیا ہے

مدینے سے اُٹھا وہ ابرِ رحمت
جلَو میں بارشِ جُود و سخا ہے

کمالِ سیرتِ اقدس تو دیکھو
عَدو بھی مَوردِ لطف و عَطا ہے

کرم اُن کا باندازِ محبّت
غریبوں کا سہارا بن گیا ہے

ترے کوچے میں اے سرکارِ طیبہؐ
خزانہ رحمتوں کا لُٹ رہا ہے

محمدؐ باعثِ تخلیقِ عالم
اُنھیں سے سارے عالم کی بقا ہے

ستاروں میں اُنھیں کی روشنی ہے
قمر میں شمس میں اُن کی ضیا ہے

کہاں جائیں ترے در کے بھکاری
ٹھکانا اور اُن کا کون سا ہے؟

وہ آئے زائرانِ باغِ طیبہ
مرا دل اُن کے قدموں پر فدا ہے

فریدیؔ گنبدِ خضرا کا منظر
خدا چاہے تو اک دن دیکھنا ہے

یہ نعت ماہنامہ الحرم میرٹھ شمارہ شعبان ۱۳۷۵ھ مطابق مارچ ۱۹۵۶ء میں شائع ہوئی۔

چلا ہے دل سوئے طیبہ نشاطِ جاں کے لیے
زیارتِ درِ سلطانِ دو جہاں کے لیے

چلا ہوں جان کو لے کر میں ارمغاں کے لیے
یہ دل تو نذر تھا پہلے ہی آستاں کے لیے

سلام اُس پہ جو ضامن ہے امنِ عالم کا
درود اُس پہ جو تسکیں ہے قلبِ جاں کے لیے

تصوّر اُن کے جمالِ رخِ فروزاں کا
ضروری چیز ہے تزئینِ بزمِ جاں کے لیے

فریدؔی اُن کے کرم کا بڑا سہارا ہے
سکون نواز ہے یہ قلبِ عاصیاں کے لیے

اک مجمعِ اصحاب ہے اور سرورِ دیںؐ ہے
گویا کہ ستاروں میں عیاں ماہِ مُبیں ہے

اُن کے جسدِ پاک سے مُلصق جو زمیں ہے
وہ چرخ تو کیا رشکِ دہِ عرش بریں ہے

اے زائرو دیکھو یہ مدینے کی زمیں ہے
دراصل یہی مرکزِ ایمان و یقیں ہے

تشکیل یہیں ملتِ بیضا کی ہوئی تھی
یہ منبعِ اخلاق ہے اور مصدرِ دیں ہے

دامانِ ادب ہاتھ سے چھوٹے نہ یہاں پر
طیبہ کی زمیں مہبطِ جبریلِ امیں ہے

ہوتی ہے یہاں صبح و مسا نور کی بارش
اک صبح کا عالم ہے یہاں، رات نہیں ہے

جو رونق و نزہت ہے مدینے کی زمیں میں
اِس محفلِ عالم میں کہیں اور نہیں ہے

واللّیل کی تعبیر ہے یا زلف ہے اُن کی
والصّبح کی تفسیر ہے یا نورِ جبیں ہے

یہ ربط بھی کیا کم ہے کہ مسجد میں نبیؐ کے
نقشِ قدمِ پاک ہیں اور اپنی جبیں ہے

آتے ہیں مجھے یاد مدینے کے مناظر
ہر منظرِ جاں بخش مرے دل میں مکیں ہے

اُن کی نگہِ خاص ہے برحالِ فریدیؔ
وہ بھول گئے ہوں اُسے، ایسا تو نہیں ہے

❀

برمصرعِ طرح : مجھ پہ بھی ایک نظر ساقیِ کوثر ہو جائے

وہ نظر نازشِ صد زمزم و کوثر ہو جائے
جس کو سرکار کا دیدار میسّر ہو جائے

وجد انگیز و طرب خیز ہے وہ وقت بھی جب
اُن کا دربار نگاہوں سے قریں تر ہو جائے

جس زمیں پر بھی پڑیں نقشِ قدم حضرتؐ کے
وہ زمیں سجدہ گہہِ جنّ و بشر ہو جائے

گنبدِ سبز کا پھر جا کے نظارہ کر لوں
میرے آقا کی عنایت جو مکرّر ہو جائے

بابِ جبریلؑ سے پھر حاضری ہو جائے نصیب
پھر سلام آپ کی خدمت میں میسّر ہو جائے

جلوۂ روئے محمدؐ ہے دل آرائے جہاں
دیکھ لے اُس کو جو آئینہ تو ششدر ہو جائے

عرصۂ حشر میں اللہ یہ ساماں کر دے
سایۂ لطفِ محمدؐ مرے سر پر ہو جائے

چشمِ سرکارؐ کا ادنیٰ سا اشارہ پا کر
یہ جہاں چیز ہے کیا عرش مُسخّر ہو جائے

آج بھی تجھ کو دلوں پر ہو حکومت حاصل
تو اگر پیروِ اخلاقِ پیمبرؐ ہو جائے

نسبتِ حُبِّ محمدؐ وہ ضیا ہے جس سے
سینۂ حضرتِ صدیقؓ منوّر ہو جائے

عکسِ اخلاقِ محمدؐ کا اثر ہے جس سے
عمرؓ اس شان سے اُٹھے کہ عمرؓ ہو جائے

میرے آقا کی یہ تاثیرِ کرم ہے جس سے
بن کے عثمانِ غنیؓ، رہبر و سَرور ہو جائے

میرے سرکارؐ کا یہ فیضِ اَتم ہے جس سے
مرتضیٰؓ شیرِ خدا، صفدر و حیدر ہو جائے

یادِ طیبہ ہے فریدیؔ مرے دل کا آرام
یہ نہ ہو دل میں تو جینا مرا دوبھر ہو جائے

❁

مہ تاباں مثیلِ روئے سرورؐ ہو نہیں سکتا
یہ ذرّہ ہمسرِ خورشیدِ خاور ہو نہیں سکتا

جو بندہ رہروِ راہِ پیمبر ہو نہیں سکتا
وہ ہرگز لائقِ تسنیم و کوثر ہو نہیں سکتا

بُروزی ہو کہ ظِلّی یا ہو تکوینی و تشریعی
پسِ ختمِ رسلؐ کوئی پیمبر ہو نہیں سکتا

وہ بعد از انبیاء افضل ہیں بیشک اور اعلیٰ ہیں
کوئی اب ہمسرِ صدیقِ اکبرؓ ہو نہیں سکتا

عراق و شام اور یہ مصر و ایراں اس کے شاہد ہیں
کوئی فاروق رضؓ سے بڑھ کر دلاور ہو نہیں سکتا

ہیں عثمان رضؓ مصدرِ الطاف و صدرِ محفلِ عرفاں
کوئی حلم و حیا میں اُن کا ہمسر ہو نہیں سکتا

فریدی یہ مرا ایمان ہے، میرا عقیدہ ہے
جو مومن ہے کبھی بدخواہِ حیدر رضؓ ہو نہیں سکتا

٭

خدا کا کچھ ایسا کرم دیکھتا ہوں
سفر اپنا سوئے حرم دیکھتا ہوں

خدا جانے کیوں آنکھ نم دیکھتا ہوں
کھلا جب کہ بابِ حرم دیکھتا ہوں

قریب آگیا کیا محمدؐ کا روضہ؟
کہ لرزش میں اپنے قدم دیکھتا ہوں

تمنائیں پوری ہوئیں عمر بھر کی
کہ دربارِ شاہِ اُممؐ دیکھتا ہوں

مدینے کے جلوے، مدینے کے منظر
ہیں صبح و مسا دمبدم دیکھتا ہوں

وہ دربار ہے سرورِ دوجہاںؐ کا
کہ شاہوں کی گردن بھی خم دیکھتا ہوں

یہ نعتیہ اشعار ایک کاغذ کے ٹکڑے پر لکھے ہوئے ملے۔ چند دیگر اشعار اور مقطع دستیاب نہ ہو سکا۔

*

بہار آ گئی مرے دل کی کلی معلوم ہوتی ہے
نسیمِ فیض، طیبہ سے چلی معلوم ہوتی ہے

لباسِ فقر میں شانِ نبیؐ معلوم ہوتی ہے
قبائے نور، کملی میں چھپی معلوم ہوتی ہے

ترے ہر فعل میں معراج مُضمر ہے ترقّی کی
ترے ہر قول میں، اک زندگی معلوم ہوتی ہے

نگاہِ ناز کے صدقے، اضافہ ہو عنایت میں
مرے دردِ جگر میں کچھ کمی معلوم ہوتی ہے

مداوا کے لیے پھر اذن دے توحید والوں کو
مزاجِ کفر میں کچھ برہمی معلوم ہوتی ہے

فراق و ہجر بھی آخر گوارا ہو گیا دل کو
مجھے اُن کی خوشی، اپنی خوشی معلوم ہوتی ہے

چھپا سکتا نہیں سوزِ دروں شیدا محمدؐ کا
کہ زردی رُخ پہ، آنکھوں میں نمی معلوم ہوتی ہے

خدا کے واسطے بہرِ تسلّی اب تو آجاؤ
مریضِ غم کی حالت آخری معلوم ہوتی ہے

سلامِ شوق کر اے دل کہ یہ بابُ السّلام آیا
یہاں دنیا مرادوں کی بچھی معلوم ہوتی ہے

فرشتوں نے کہا جب مَا تَقُوْلُ روح بول اٹھی
کہ یہ تو ہو بہو شکلِ نبیؐ معلوم ہوتی ہے

فریدیؔ خلد میں روحِ شہیدیؔ مجھ سے کہتی ہے[1]
کہ تیری نعت مقبولِ نبیؐ معلوم ہوتی ہے

---

[1] کرامت علی شہیدیؔ شاگرد مصحفیؔ، انھوں نے نواب محمد مصطفےٰ خاں شیفتہ کے ساتھ سفرِ حج کیا تھا، مدینہ کے قریب پہنچ کر جب گنبدِ خضرا پر نظر پڑی تو فرطِ جذبات سے وہیں انتقال ہوگیا اور اُن کی یہ تمنا پوری ہوئی ۔

تمنّا ہے درختوں پر ترے روضے کے جا بیٹھے
قفص جس وقت ٹوٹے طائرِ روحِ مقید کا

❀

زہے خاکِ پاکِ طیبہ زہے اُس کی ضو فشانی
وہ نزولِ رحمتِ حق وہ نشاط و کامرانی

وہ فضائے روح پرور وہ ظہورِ لطف و رحمت
وہ ہوائے کیف آور، وہ وفورِ شادمانی

یہ جو سامنے ہے گنبد یہی روضۂ نبیؐ ہے
اسے دیکھنے کی خاطر، تھی عزیز عمرِ فانی

اِسی جا ہیں جلوہ آرا، اِسی جا ہیں محوِ راحت
شہِ دوسرا کہ جن کی ہے دلوں پہ حکمرانی

یہی مرکزِ یقیں ہے، یہی مخزنِ سکوں ہے
دل و جاں کے واسطے ہے یہ سُرور و شادمانی

اِسی جا ہے روحِ عالم، اِسی جا ہے جانِ ایماں
وہ نبیؐ لطف و رحمت وہ رسولِؐ جاودانی

وہ ہجوم عاشقوں کا جو شمار سے فزوں ہے
وہ توجّہِ گرامی بہ کمالِ مہربانی

کوئی رو رہا ہے پیہم، کوئی ہے مُراقبے میں
کسی جا پہ ہے تلاوت، کہیں ہے درود خوانی

ہے قریبِ شاہِ بطحا ابو بکرؓ صِدق آرا
وہ وفا شعار ہمدم، وہ رفیقِ جاودانی

ابدی نشاط میں ہے، سرِ خود نہادہ بر دَر
وہ عمرؓ وہ عدل گستر، وہ امیرِ دو جہانی

مرے دل نے جو بھی دیکھا رہی آنکھ اُس سے قاصر
یہ زبان کیا کرے گی، مرے دل کی ترجمانی

میں یہاں ہوں اے فریدیؔ ہے وہاں پہ روح میری
مری روح کو وہیں پر ہے سرور و شادمانی

❀

بر مصرعۂ طرح : زہے تقدیر زباں پر مری نام اُن کا ہے

وجہِ تسکینِ دل و جاں ہے تو نام اُن کا ہے
مظہرِ رحمتِ حق، لطفِ دوام اُن کا ہے

رفعتِ عرش نہیں جس کے مقابل کوئی شے
کیا کہوں کتنی بلندی پہ مقام اُن کا ہے

جن کو سرکارؐ کی نظروں سے ملا ہے ساغر
بادہ اُن کا ہے، سبو اُن کا ہے، جام اُن کا ہے

اُن کے جلووں کو دل و جاں میں بسا ڈالا ایسے
جن کو حاصل ہے حضوری یہ مقام اُن کا ہے

دل مِلے، بغض مٹا، نورِ محبّت پھیلا
وہ جو کونین کے آقا ہیں، یہ کام اُن کا ہے

بزمِ توحید سجی، جامِ اُخوّت چھلکا
کتنا تابندہ و پائندہ یہ کام اُن کا ہے

جس میں طرفین کو ہے راحت و رحمت کی دعا
کتنا پُرکیف و دل آویز سلام اُن کا ہے

بھائی بھائی رہیں آپس میں مسلماں سارے
جو ہیں ہم سب کے پیمبر، یہ پیام اُن کا ہے

ترکِ لایعنی میں پوشیدہ ہے حُسنِ اسلام
کس قدر جامع یہ مضمونِ کلام اُن کا ہے [1]

---

[1] حدیثِ نبوی: مِن حُسنِ إسلامِ المَرءِ ترکُہ مَا لا یَعنِیہِ (ترمذی: زُہد ۱۱)

ورم آلود ہوئے پائے مبارک جن کے
سجدہ اُن کا ہے، قعود اُن کا، قیام اُن کا ہے

ہر دو عالم کے لیے باعثِ تخلیق ہیں وہ
آفتاب اُن کا ہے، یہ ماہِ تمام اُن کا ہے

اے فلک دیکھ اِسے چشمِ حقارت سے نہ دیکھ
یہ فریدیِ دل افگار غلام اُن کا ہے

❀

برطرح سرورِ دوعالمؐ کے ہاتھ میں شفاعت ہے

دولتِ شعورِ دیں آپ کی بدولت ہے
یہ متاعِ ایماں بھی آپ کی عنایت ہے

آپ کے تکلّم میں، آپ کے تبسّم میں
شہد کی حلاوت ہے پھول کی لطافت ہے

رہروِ طریقت پر راز یہ کھُلا آخر
آپؐ کی اطاعت ہی آپؐ کی محبّت ہے

ہر حدیثِ جاں آرا علم کا سمندر ہے
مختصر کلام اُن کا دفترِ بلاغت ہے

آپؐ سے ملا درسِ لاالہ اِلّا اللہ
اب مرے دل و جاں میں بے پناہ وسعت ہے

نقش ہے مرے دل پر ہر ادا مدینے کی
شام جس کی نورانی، صبح، صبحِ جنّت ہے

ارضِ روضۂ اطہر عرش سے ہے بالاتر
یہ عقیدہ برحق ہے، مبنی بر حقیقت ہے

یہ فریدیِؔ عاجز بے کمال ہے پھر بھی
قدر ہو نہ کیوں اس کی نعت گوئے حضرتؐ ہے

✽

وہ آئے روضۂ سرکارِ اطہر دیکھنے والے
بہارِ گنبدِ خضرا کا منظر دیکھنے والے

مزے جنّت کے لوٹیں بزمِ سرورؐ دیکھنے والے
بہاریں درمیانِ قبر و منبر دیکھنے والے

یہاں دراصل رسمِ عشق کی تکمیل ہوتی ہے
مدینہ دیکھ لیں، اللہ کا گھر دیکھنے والے

نہیں جچتا نظر میں بیشِ طیبہ گلشنِ جنّت
ذرا دونوں کو دیکھیں تو ملا کر دیکھنے والے

کبھی سنّت کشِ جام و سبو ہوتے نہیں دیکھو
فروغِ جادۂ ساقیِ کوثرؐ دیکھنے والے

تعالیٰ اللہ اُن کے خُلد آرا کوثریں جلوے
ہوئے جاتے ہیں غرقِ موجِ کوثر دیکھنے والے

وہ کوئی اور ہوں گے دُور رہیں جو اُن کے رستے سے
فریدی ہم تو ہیں اُن کو برابر دیکھنے والے

✽

آنکھوں کا نور خاکِ درِ مصطفےٰؐ میں ہے
دل کا سرور روضۂ خیر الوریٰ میں ہے

محبوبِ حق بنا، جو کوئی اُن کا ہو گیا
یہ فیضِ خاص، عشقِ حبیبِ خدا میں ہے

کونین میں وہ لطف میسر نہیں کہیں
جو لُطف اتّباعِ رسولِ خداؐ میں ہے

بکھری ہوئی ہیں جنّتیں ہر گام پر یہاں
اک منظرِ جمیل رہِ مصطفےٰؐ میں ہے

صدیقؓ کی رفاقت و نصرت کا تذکرہ
ہر ہر جگہ کی محفلِ اہلِ وفا میں ہے

فاروقِؓ دل نواز سے پوچھے کوئی ذرا
تاثیر کس قدر نگہِ مصطفےٰ میں ہے

عثمانِؓ باوقار کے انداز دیکھ لو!
آقا کا عکس آپ کی ہر ہر ادا میں ہے

کتنے وفا شعار تھے کس درجہ باصفا
اک رنگِ خاص سیرتِ شیرِ خداؓ میں ہے

اک ربطِ خاص قلبِ فریدی کو ہے نصیب
اس کی نشاط، یادِ شہِ دوسرا میں ہے

❁

حجازِ مقدّس سے او آنے والے — مجھے بھی حجازی ترانہ سنا دے

سنا دے سنا دے وہ دلکش ترانہ — جسے سن کے ہو حالِ دل بے خودانہ

بنا دے مرے دل کو گلشن بداماں — مری روح کو بخش دے ذوقِ عرفاں

نظر میں تو اب تک سمایا ہی ہوگا — حرم کا وہ منظر وہ کعبے کا جلوہ

وہ مروہ کا نقشہ وہ خاکہ صفا کا — وہ میدان، عرفات کا اور منا کا

وہ صبحِ حرم وہ سماں پیارا پیارا — وہ شامِ مقدّس کا رنگیں نظارہ

طواف اور وہ سنگِ اسود کا بوسہ — وہ دل میں فقط اک خدا کا بھروسا

وہ زمزم کا جامِ طرب خیز پینا — وہ دل میں تمناؤں کا اک خزینہ

وہ رحمت کا مرکز وہ ارضِ مدینہ — وہ بامِ عروجِ محبّت کا زینہ

وہ منبر، وہ مسجد، وہ گنبد، وہ جالی — وہ پیشِ نظر شوکتِ ذاتِ عالی

درودوں کی بارش، سلاموں کی کثرت — غلاموں کا رونا بجوششِ محبت

مدینے کی گلیاں وہ آثارِ رحمت — وہ فردوسِ طیبہ وہ گلزارِ جنت

تجھے یاد ہوں گے یہ سارے نظارے
یہ دلکش نظارے، دلوں کے سہارے

یہ نظم حاجی محمد چاند صاحب والد ماجد حاجی محمد یٰسین صاحب مرحوم چیرمین میونسپل بورڈ امروہہ کے سفرِ حج سے
ی پر لکھی گئی اور الحرم میرٹھ شمارۂ ربیع الاول ۱۳۷۷ھ مطابق اکتوبر ۱۹۵۷ء میں شائع ہوئی۔

٭

دارین کی دولت پائی ہے کعبے کی زیارت کیا کہنا
روضے کو نبیؐ کے دیکھ لیا ان آنکھوں کی قسمت کیا کہنا

صد شکر کہ حاجی آئے ہیں سوغاتِ محبّت لائے ہیں
چہروں سے نمایاں ہیں اُن کے انوارِ عقیدت کیا کہنا

وہ طوفِ حرم، وہ سعیِ صفا وہ دیدِ حرم کے جلووں کی
وہ رُکنِ یمانی کی برکت، اَسود کی وہ قربت کیا کہنا

زائر کا وہ کعبے میں ہونا وہ ذوقِ حضوری کا عالم
وہ جلوۂ جاناں پیشِ نظر اور قلب کی حالت کیا کہنا

وہ شام کا منظر روح فزا وہ جلوۂ میزابِ رحمت
وہ صبح کا منظر، لطفِ فضا، زمزم کی وہ لذّت کیا کہنا

عرفات گئے، مُزدلفے گئے اور آئے مِنیٰ کے میداں میں
یہ جوشِ عمل یہ جدّ و جہد یہ کوشش و محنت کیا کہنا

یہ جذبۂ عشق کا صدقہ ہے، ایمان و یقیں کا ثمرہ ہے
دربارِ نبیؐ کی جیتے جی کرلی جو زیارت کیا کہنا

زائر جو حرم سے آئے ہیں یوں چھوٹے بڑے مسرور ہیں سب
یہ جوشِ مسرّت کیا کہنا، یہ جذبۂ الفت کیا کہنا

اے کاش فریدیؔ مجھ کو بھی ہو جائے زیارت روضے کی
ارمان یہ قلبِ مضطر کا یہ روح کی چاہت کیا کہنا

موضع کن پورہ نزد ڈیڈولی ضلع مرادآباد کے عبدالصمد، عبدالمجید اور محمد عوض صاحبان کے حج و زیارت
[و]اپس آنے پر مندرجہ بالا تہنیت لکھی گئی جس میں جملہ گیارہ اشعار تھے۔ مگر کاغذ شکستہ و دریدہ
[تھ]ا۔ صرف ۹ اشعار نقل ہو سکے۔

*

ہے "رضواں"[1] کا جلوہ بفضلِ الٰہی — بہشتِ نظر، جنّتِ زندگانی
ہر اک لفظ ہے موجِ تسنیم و کوثر — عبارت میں پنہاں ہے روحِ معانی
خدا اور رسولِ خدا کی ہیں باتیں — حدیث اور قرآں کی ہے ترجمانی
یہ عفت کا حامی ہے، عصمت کا ناصر — ہے دراصل سرمایۂ جاودانی
وہ دورِ صحابہ کی دیندار مائیں — سنو اُن کی باتیں اسی کی زبانی
حقیقت میں ہے ماؤں بہنوں کا محسن — خواتینِ اُمّت کی غیرت کا بانی
ہویدا ہوا اک حسیں نقشِ اوّل — زہے کوششِ پیہم و سعیِ ثانی[2]

---

[1] رسالہ ماہنامہ رضوان، ۱۷۲/۵۴ محمد علی لین گوئن روڈ لکھنؤ۔ یہ نظم 'رضوان' کے ایک خاص نمبر کے لیے لکھی گئی تھی۔

[2] بانیِ رسالہ حضرت مولانا محمد ثانی حسنیؒ۔ اس وقت یہ رسالہ مولانا محمد حمزہ حسنی زیدمجدہٗ کی ادارت میں نکل رہا ہے۔

ہے نعمت سی نعمت خدا جس کو بخشے
خجستہ کلامی، شگفتہ بیانی

سمجھ لیں ذرا دورِ حاضر کی مائیں
کہ اک روز چھوٹے گی دنیائے فانی

عمل ساتھ جائے گا کنجِ لحد میں
نمازیں کریں گی وہاں پاسبانی

فریدی کی دعا ہے، رہے فیض گستر
یہ رضواں یہ تسنیم و کوثر کا ثانی

برمصرعہ طرح جو احمد کی جلوہ نمائی نہ ہوتی

جو احمدؐ کی جلوہ نمائی نہ ہوتی
کسی کی خدا تک رسائی نہ ہوتی

ضلالت کے کوچے میں پھرتے بھٹکتے
رہِ راستی گر بتائی نہ ہوتی

خدا کو نہ پہچانتا کوئی انساں
نبیؐ نے جو صورت دکھائی نہ ہوتی

نہ تھا زیبا کہ جز صورتِ پاکِ احمدؐ
نظر میں کسی کی سمائی نہ ہوتی

نہ تشبیہ زلفِ معلّیٰ کی ملتی
جو قرآں میں واللّیل آئی نہ ہوتی

نہ ہوتی جو مشکل کشا آلِ احمدؐ
تو دنیا کی مشکل کشائی نہ ہوتی

فضیلت ہو عیسیٰؑ کو حضرتؐ پہ کیونکر
یہ جب تھا کہ اُمت جلائی نہ ہوتی

نبیؐ گر نہ تعلیم توحید دیتے
تو ثابت خدا کی خدائی نہ ہوتی

کبھی عاصیوں کی بنائے نہ بنتی
جو محشر میں بگڑی بنائی نہ ہوتی

جو یوسفؑ میں حضرتؐ کا پرتو نہ ہوتا
طبیعت زلیخا کی آئی نہ ہوتی

نہ ہوتا چمن پر جو لطفِ پیمبرؐ
تو بلبل کی نغمہ سرائی نہ ہوتی

کلی میں نہ ملتا نشاں رنگ و بو کا
کسی پھول میں خوشنمائی نہ ہوتی

یہ فیضِ نبیؐ کا تصدّق ہے ورنہ
فریدیؔ یہ نغمہ سرائی نہ ہوتی

یہ ابتدائی نعتیہ کلام ہے۔ اس پر حضرت عزیزؔ امروہوی نے اصلاح بھی کی تھی۔

❁

برمصرعہ طرح : سبز گنبد کے مکیں میری مدد فرمائیے

رحمۃً للعالمیں میری مدد فرمائیے
یا شفیعَ المذنبیں میری مدد فرمائیے

راحتِ جانِ حزیں میری مدد فرمائیے
نورِ چشمِ عاشقیں میری مدد فرمائیے

ہادیِ شرعِ متیں میری مدد فرمائیے
رہبرِ راہِ یقیں میری مدد فرمائیے

فضلِ ربّ العالمیں میری مدد فرمائیے
نازشِ عرشِ بریں میری مدد فرمائیے

مصدرِ اسرارِ دیں میری مدد فرمائیے
منبعِ حقّ الیقیں میری مدد فرمائیے

تاج دارِ اوّلیں میری مدد فرمائیے
شاہِ ختم المرسلیں میری مدد فرمائیے

خاتمِ دل کے نگیں میری مدد فرمائیے
"سبز گنبد کے مکیں میری مدد فرمائیے"

شمعِ بزمِ مُرسلیں میری مدد فرمائیے
عندلیبِ باغِ دیں میری مدد فرمائیے

نفس ہو زیرِ نگیں میری مدد فرمائیے
زیر ہو دیوِ لعیں میری مدد فرمائیے

اے شہِ زُہرہ جبیں میری مدد فرمائیے
غیرتِ ماہِ مبیں میری مدد فرمائیے

یاں کوئی مونس نہیں میری مدد فرمائیے
آپ ہی زیرِ زمیں میری مدد فرمائیے

دم نہ گھُٹ جائے کہیں میری مدد فرمائیے
درد تھمتا ہی نہیں میری مدد فرمائیے

چرخ کو ہے مجھ سے کیں میری مدد فرمائیے
اور دشمن ہے زمیں میری مدد فرمائیے

بانیِ دینِ متیں میری مدد فرمائیے
صادقُ القول و امیں میری مدد فرمائیے

اے فریدیِ حزیں کر عرض یہ پیشِ حضورؐ
خاصۂ جان آفریں میری مدد فرمائیے

مناقب

امیر المومنین حضرت ابوبکر صدّیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

برمصرعِ طرح : نبیؐ کے بعد سب سے معتبر صدیق اکبرؓ ہیں

صداقت آشنا، عالی گہر صدّیقِ اکبرؓ ہیں
امیرِ حق پسند و حق نگر صدیقِ اکبرؓ ہیں

مزاجِ مصطفےٰؐ سے باخبر صدّیق اکبرؓ ہیں
وفورِ عشق سے پُر سر بسر صدّیقِ اکبرؓ ہیں

نبیؐ سے آج بھی نزدیک تر صدّیقِ اکبرؓ ہیں
خلیفہ ہیں تو بے فصلِ دگر صدّیقِ اکبرؓ ہیں

شبِ ہجرت کا نظّارہ بھی کتنا روح پرور ہے
رسولِ پاک ہیں اور ہم سفر صدیقِ اکبرؓ ہیں

پسِ ختمِ رُسلؐ جتنے اُٹھے فتنے مٹا ڈالے
پئے دینِ متیں، محکم سپر صدّیقِ اکبرؓ ہیں

ورق گردانیِ تاریخِ سیرتؐ سے یہ ظاہر ہے
رہینِ غم بعہدِ مختصر صدّیقِ اکبرؓ ہیں

نبیؐ آئے تصوّر میں تو یہ منظر نظر آیا
اِدھر فاروقِ اعظمؓ ہیں، اُدھر صدّیقِ اکبرؓ ہیں

اِس منقبت کا مقطع دستیاب نہ ہو سکا۔

❁

کفّارِ عرب جس دم شمشیر بداماں تھے — اور ہادیِ اُمّتؐ کے آزار کے خواہاں تھے
جب شرک تھا عالم میں، ناپید مسلماں تھے — جب کفر کے متوالے وحدت سے گریزاں تھے
صدیقؓ نے کی اُس دم تصدیق رسالت کی
توحید کو پھیلایا، قرآں کی اشاعت کی

مکّے کی زمیں جس دم بھاری ہوئی حضرتؐ پر — بوجہلِ لعیں اُترا جس وقت جہالت پر
یک دل ہوئے جب مُشرک، اِفساد و شرارت پر — آمادہ کیا حق نے محبوبؐ کو ہجرت پر
ہمراہ ہوئے اُس دم صدیقؓ پیمبرؐ کے
دمساز بنے اُس پل وہ شافعِ محشرؐ کے

اک غار کی قسمت کو دونوں نے کیا روشن — ہنگامۂ اعدا میں ٹھہرایا اُسے مامن
صدیقؓ ہوئے جس دم اندیشۂ کُنِ دشمن — تسکیں کے لیے آئی خوش خبریِ لَا تَحْزَنْ
بوبکرؓ سکینت کی دولت سے ہوئے خوشدل
جس چیز کے جویا تھے وہ چیز ہوئی حاصل

صدّیقؓ مرقّع تھے، بے لوث رفاقت کے — صدّیقؓ تھے اک پیکرِ ہمّت کے شجاعت کے
صدّیقؓ تھے اک معدن انصاف و سخاوت کے — صدّیقؓ نمونہ تھے اخلاقِ نبوّت کے

صدّیقؓ کی عظمت پر قرآن بھی شاہد ہے
ایماں کی اگر پوچھو، ایمان بھی شاہد ہے

جو بدر کے غزوے میں اعداء کے مقابل تھے — میدانِ اُحد میں بھی جو قاطعِ باطل تھے
جو خندق و خیبر کے ہنگاموں میں شامل تھے — جو آخری غزوے کی تکلیف کے حامل تھے

ہر ایک مصیبت میں جو خرّم و خنداں تھے
جو شاہِ دو عالمؐ پر سو جان سے قرباں تھے

بعد از نبی اکرمؐ اشرار نے یہ ٹھانی — وحدت کے مقابل ہو پھر سلسلہ جُنبانی
صدّیقؓ نے جب نیّت اُن لوگوں کی پہچانی — شمشیر بکف اُٹھے با جرأتِ ایمانی

یہ کام حقیقت میں شہکارِ خلافت ہے
صدّیقؓ کے بارے میں معیارِ صداقت ہے

جو غار کے گوشے میں ہمرازِ نبوّت تھے — وہ کُنجِ لحد میں بھی نزدیک ہیں آقاؐ کے
یہ بات ہویدا ہے ارشادِ رفیقی سے — کوثر پہ بھی حضرتؐ سے صدّیقؓ کو قربت ہے

حد ہو گئی احساسِ پیمانِ رفاقت کی
کی عمر بسر اُتنی جتنی کہ حضرتؐ کی

مطبوعہ مجلّہ 'انوارِ صدّیقؓ' شمارہ ۱۲ بابتہ ۱۳۵۴ھ ہجری / ۱۹۳۵ء

❀

راز دارِ مصطفیٰؐ صدّیقِ اکبرؓ باوفا　　موردِ اَتقَی اَلّذی، پروانۂ شمعِ ہُدیٰ
اِذ ہُما فی الغارِ کا مصداق دُو میں دُوسرا　　بالیقیں وہ اشرف و افضل ہے بعد از انبیاء

تاجدارِ فضل و عرفاں مخزنِ علم و یقیں
ہے صحابیت پہ ناطق جس کی قرآنِ مبیں

اُس کا مُنکر، منکرِ آیاتِ قرآنِ مجید　　اُس کا دشمن، دشمنِ اسلام، ایماں سے بعید
اُس سے جو جلتا ہے، اُس کو ہے جہنم کی وعید　　اُس کے شاتم کے لیے ہے نعرۂ ہَل مِن مزید

الغرض اُس کا عدو برباد ہے، برباد ہے
دو جہاں میں خوار ہے، محروم ہے ناشاد ہے

جو کہ ہے السّابقون الاوّلون میں بے گماں　　دارِ ارقم میں رہا جو مدّتوں توحید خواں
مکّے والوں کی سہیں جس نے برابر سختیاں　　چھوڑ دی طوفاں میں جس نے کشتیِ عمرِ رواں

وہ ابوبکرِ معظم رضؓ، وہ ابوبکرِ جلیل رضؓ
جس سے راضی ہے خدا اور اُس کا محبوبِ جمیل

اُن کے قدموں پر ابو بکرؓ و عمرؓ ہیں لا کلام		گنبدِ خضرا میں محوِ خواب ہیں خیر الأنام
ضمنِ پیغمبرؐ میں اُن پر صد درود و صد سلام		رحمتوں کی بارشیں ہوتی ہیں اُن پر صبح و شام

کیا نبیؐ کے ساتھ اُٹھیں گے نہ بو بکرؓ و عمرؓ
مدّعی ایمان کی کہنا خدا کو دیکھ کر

تھی طبیعت جس کی باغِ خلد کا اک تازہ پھول		سب سے پہلے جس نے کی تصدیقِ معراجِ رسولؐ
سامنے ہوتا تھا جس کے وحیِ خالق کا نزول		سب سے زائد سب سے اعلیٰ جس کو عرفاں کا حصول

ذات پر محبوب کی جو دل سے قرباں ہو گیا
عشقِ پیغمبرؐ میں جو بے ساز و ساماں ہو گیا

اُس کے ایماں پر ہے خود اسلام اور ایماں گواہ		فضل پر اُس کے خدا شاہد ہے اور قرآں گواہ
جس کے زرّیں عہد پر یہ گنبدِ گرداں گواہ		صدق پر جس کے ہے سب دنیائے اِنس و جاں گواہ

مدح کی ہے جس کی حضرتؐ نے زبانِ پاک سے
افضلیت جس کی ثابت صاحبِ لولاک سے

ہم نشیں ذوقِ عقیدت کو بڑھانے کے لیے		قُدس کی رنگینیوں میں ڈوب جانے کے لیے
تربتِ صدّیقِ اکبرؓ پر چڑھانے کے لیے		چند کلیاں گلشنِ جنّت سے لانے کے لیے

خلد میں لے جا اُڑا کر روحِ احساسات کو
اے فریدی کر منوّر عالمِ جذبات کو

یہ مدح ۲۳ جمادی الثانیہ ۱۳۶۴ھ مطابق ۴ جون ۱۹۴۵ء کو "یوم صدیق اکبرؓ" پر محلہ قریشی میں پڑھی گئی

✿

امیرالمومنیں صدّیقِ اکبرؓ
نبیؐ کے جانشیں صدّیقِ اکبرؓ

اِمام المتّقیں صدّیقِ اکبرؓ
سراجُ السّالکیں صدّیقِ اکبرؓ

رئیسُ العاشقیں صدّیقِ اکبرؓ
شہِ علم و یقیں صدّیقِ اکبرؓ

رفیقِ شاہِ دیں صدّیقِ اکبرؓ
صداقت کے امیں صدّیقِ اکبرؓ

وہ دل خالی خدا و مصطفیٰ سے
کہ جس دل میں نہیں صدّیقِ اکبرؓ

نگینِ خاتمِ صدق و صفا کے
ہیں نقشِ اوّلیں صدّیقِ اکبرؓ

زسر تا پا محبّت ہی محبّت
حبیبِ دل نشیں صدّیقِ اکبرؓ

کلام اُن کا ہے بس قندِ مکرّر
سراپا انگبیں صدّیقِ اکبرؓ

جہاں نامِ نبیٔ پاکؐ دیکھا
نظر آئے وہیں صدّیقِ اکبرؓ

مرے آقا جہاں ہیں محوِ راحت
ہیں آسودہ وہیں صدّیقِ اکبرؓ

فریدیؔ کو بھی اک ساغر عطا ہو
ز صہبائے یقینِ صدّیقِ اکبرؓ

٭

طرح : ہے عقیدت جن کو یارِ غارؓ سے

ربط ہو جب احمد مختارؐ سے
لازمی ہے عشق یارِ غارؓ سے

ہے صحابیّت مسلّم آپ کی
نصِّ قرآں اِذْ ہُمَا فِی الْغَار سے

خلعتِ صدق و صفا حاصل ہوئی
پا لیا سب عشق کی سرکار سے

طعن سے کیا شانِ صدّیقی گھٹے
پھول بالا تر ہے نوکِ خار سے

دین چمکا خُلق سے بوبکرؓ کے
کفر لرزا آپ کی تلوار سے

فضلِ صدّیقِ معظّمؓ مدّعی
سُن زبانِ سیّدِ ابرارؐ سے

ق

اور قرآں کا اگر ہے فہم کچھ
دیکھ اُس میں دیدۂ اقرار سے

کس قدر آیات ہیں توصیف میں
ہے تعلّق جن کو یارِ غار سے

اور اگر کچھ اعتبار اس پر نہ ہو
پوچھ لے جا حیدرِ کرّارؓ سے

نسبتیں سب اُن کو حاصل ہوگئیں
قلبِ صافِ احمدِ مختار ﷺ سے

مُسلم ہندی خدا کے واسطے
لے سبق صدّیق رضؓ کے اطوار سے

ق

وہ مروّت، وہ اُخوت اب نہیں
بے تعلّق ہو گیا ایثار سے

وہ شغف وہ ولولہ کم ہوگیا
جس کو رحمت دیکھتی تھی پیار سے

تو نے سیکھے ہیں مخالف کے رسوم
دب گیا ہے شوکتِ اغیار سے

کفر کا غلبہ ہے ہم پر چار سُو
ہو رہے ہیں بے کس و لاچار سے

گوشِ معنی کھول کر سُن لے ذرا
یہ صدا ہے عشق کی سرکار سے

تیری اے مُسلم ترقّی ہے محال
ربط ہو جب تک نہ یارِ غارؓ سے

اے فریدیؔ جوہرِ ایماں کہاں
ربط ہو جب تک نہ یارِ غارؓ سے

یہ منقبت ۱۵ مئی ۱۹۴۷ء بروز جمعرات صوفی نور اللہ علیہ مرحوم کے مشاعرہ یوم صدیق اکبرؓ میں پڑھی گئی۔

❀

آ رہا ہے پھر تصوّر میں محمدؐ کا جمال
جم رہا ہے پھر صحابہؓ کی جماعت کا خیال

اُن صحابہؓ میں ابوبکرِؓ معظّم باکمال
جلوہ گستر جیسے سیّاروں میں بدرِ پُرجمال

ہیں ابوبکرِ معظّمؓ کے فیوضِ لازوال
شرق سے تا غرب از فیضِ رسولؐ ذوالجلال

یارِ غارِ مصطفٰےؐ وہ رازدارِ مجتبیٰؐ
دہر میں نایاب ہے جس کی رفاقت کی مثال

سب سے پہلا وہ امیر المومنیں، وہ پیشوا
جس کے ہر آغاز میں مضمر تھا اک زرّیں مآل

جس نے سب کچھ کھو دیا اور پا لیا رازِ جہاں
جس نے پیغمبرؐ کے قدموں پر لٹایا سارا مال

کافروں کے ظلم سے جس نے چھڑائیں گردنیں
آج تک ممنونِ احساں جس کی ہے روحِ بلالؓ

جس کا تقویٰ نصِّ قرآنی نے ہے عزّ و شرف
فضل پر جس کے خدا شاہد، نہ ہے فضل و کمال

حبّذا جس کی صحابیت پہ قرآں ہے گواہ
اے خوشا، مصحف ہے جس کا شاہدِ جود و نوال

کون ہے افضل نبیؐ کے بعد اے شیرِ خدا
جب کیا حضرت علی المرتضیٰؓ سے یہ سوال

بولے بوبکرؓ معظم ہیں بلا شکّ و شُبہ
افضل و اعلیٰ بفرمانِ رسولِؐ ذوالجلال

سرگروہِ اولیاء اور تاجدارِ اتقیاء
انبیاءؑ کے بعد جس کا مرتبہ بے قیل و قال

حل ہوں جس کی دید سے اہلِ نظر کی مشکلیں
ہے بقا ہیں بے شبہ جس کی جوابِ ہر سوال

دشمنی صدیقؓ کی اور اُس پہ جنّت کی طلب
ایں خیال است و جنون است و بعید است و محال

دوش پر بارِ نبوت، پاؤں میں لغزش نہیں
مرحبا ہجرت کی شب یہ سو کمالوں کا کمال

اے فریدی کیا گناؤں خوبیاں صدیقؓ کی
خوش خصال و خوش جمال و خوش کلام و خوش مقال

اس منقبت کے کچھ اشعار رسالہ الحرم میرٹھ شمارہ رمضان ۱۳۷۶ھ/اپریل ۱۹۵۷ء میں شائع ہوئے۔

٭

حضرتِ صدیقؓ شمعِ دیں کے پروانوں میں ہیں
بعدِ آقاؐ اُن کی اُمّت کے نگہبانوں میں ہیں

جو مجاہد بھی جہادِ حق کے میدانوں میں ہیں
وہ ابوبکرؓ و عمرؓ کے حوصلہ دانوں میں ہیں

جلوہ گر صدّیقؓ اہلِ حق کے ایوانوں میں ہیں
اہلِ ایماں کے دلوں کے آئینہ خانوں میں ہیں

خوبیاں جو ساقیِ کوثر کے مستانوں میں ہیں
فلسفیوں میں، نہ عہدِ نو کے فرزانوں میں ہیں

حضرتِ صدّیقؓ کی ہے وہ مقدّس بارگاہ
بادشہ تو کیا، فرشتے جس کے دربانوں میں ہیں

اہلِ سُنّت ہیں مگر قائل بھی ہیں تفضیل کے
کیا تماشا ہے کہ اپنے ہو کے بیگانوں میں ہیں

سب صحابہؓ گرچہ دُر دانے ہیں بحرِ عشق کے
گوہرِ یکتا، عتیق اِن سارے دُردانوں میں ہیں

دین کو قائم رکھا، باطل کا سر خم کر دیا
یہ بھی کیا احسان تھوڑے، اُن کے احسانوں میں ہیں

مصطفیٰؐ کے فیض سے صدیقؓ ہیں شمعِ ہُدیٰ
جھلکیاں اِس شمع کی لاکھوں شبستانوں میں ہیں

جھونپڑوں میں ہی تھے باشوکت حرم کے پاسباں
آج بے شوکت ہوئے ہیں گرچہ ایوانوں میں ہیں

اے فریدی تم سے کیا ہو گی ثناء صدیقؓ کی

سرورِ کونینؐ خود جن کے ثنا خوانوں میں ہیں

یہ منقبت ۲۲ رجمادی الثانیہ ۱۴۰۳ھ کو یومِ صدیق اکبرؓ کے مشاعرے میں پڑھی گئی۔

ہم تو صدّیقؓ کو واصل بخدا کہتے ہیں
جو خدا سے ہیں جدا اُن کو بُرا کہتے ہیں

سب اُنھیں پیکرِ اخلاص و وفا کہتے ہیں
ہم تو آئینۂ محبوبِ خدا کہتے ہیں

ناقدِ شیرِ خداؓ خارجی کہلاتا ہے
جو ہے صدّیقؓ کا منکر اُسے کیا کہتے ہیں ؟

جو بھلے ہیں وہ بھلوں کی نہیں کرتے تنقیص
جو بُرے ہیں وہی اچھّوں کو بُرا کہتے ہیں

جو ہے صدّیقؓ کا دشمن بلبا سِ اسلام
اُس کو ہم متّبعِ ابنِ سبا کہتے ہیں

مدّعی تو نے "بلا فصل" کی بھی خوب کہی
اِس کو تاریخ و حقائق سے اِباء کہتے ہیں

یہ بھی احسان خدا کا ہے فریدی کیا کم
مجھ کو مدّاحِ شہِ ارض و سماء کہتے ہیں

❀

طرح : امام الانبیاءؐ کے جانشیں صدّیقِ اکبرؓ ہیں

مشیّت کا جمالِ دلنشیں صدّیقِ اکبرؓ ہیں
نبوت کا کمالِ اوّلیں صدّیقِ اکبرؓ ہیں

عجب شخصیّتِ عہد آفریں صدّیقِ اکبرؓ ہیں
نہ ہوں کیوں مصطفیٰؐ کے جانشیں صدّیقِ اکبرؓ ہیں

بہارِ گلشنِ دینِ متیں صدّیقِ اکبرؓ ہیں
فروغِ بزم ایمان و یقیں صدّیقِ اکبرؓ ہیں

ثباتِ عزم کے کوہِ مہیں صدّیقِ اکبرؓ ہیں
بِلا شک مالکِ مُلکِ یقیں صدّیقِ اکبرؓ ہیں

کُل اوصافِ حمیدہ جمع ہیں اُس ذاتِ عالی میں
تمام اخلاقِ اعلیٰ کے امیں صدّیقِ اکبرؓ ہیں

تعالیٰ اللہ یہ رفعت کہ زیرِ گنبدِ خضرا،
جہاں آقا ہیں خوابیدہ، وہیں صدّیقِ اکبرؓ ہیں

سراپا عشق و دلسوزی، مُجسّم خُلق و دلجوئی،
رِضا و صبر کی شکلِ حسیں صدّیقِ اکبرؓ ہیں

حدیثِ خُم کے متوالے علیؓ سے پوچھ لیں جا کر
کہ وہ ہیں، یا نبیؐ کے جانشیں صدّیقِ اکبرؓ ہیں

نبیؐ کے جانشیں، اور مستحق تاجِ خلافت کے
بلا فصل و تأخُّر بالیقیں صدّیقِ اکبرؓ ہیں

یہ کون آیا شہِ ہر دوسرا کے ساتھ محشر میں
ارے یہ تو نبیؐ کے ہم نشیں صدّیقِ اکبرؓ ہیں

فریدیؔ غیر کس منھ سے نبیؐ کے رُو برو جائے
یہیں فاروقِ اعظمؓ ہیں، یہیں صدّیقِ اکبرؓ ہیں

❀

صدّیقؓ عکسِ ذاتِ پیمبرؐ ہیں دوستو!
آئینے دیکھ کر انھیں ششدر رہیں دوستو

صدّیقؓ بحرِ علم کے گوہر ہیں دوستو
گلزارِ معرفت کے گلِ تر ہیں دوستو

صدّیقؓ زہد و تقویٰ کے پیکر ہیں دوستو
اور واقفِ مزاجِ پیمبرؐ ہیں دوستو

صدّیقؓ ہر کمال کا مظہر ہیں دوستو
ملّت کے ہر نظام کا محور ہیں دوستو

رکھا علیؓ نے نامِ پسر اُن کے نام پر
بیشک وہ برگزیدہ حیدرؓ ہیں دوستو

تھی اُن کی بیٹی عائشہؓ زوجہ رسولؐ کی
وہ یوں بھی فردِ خاصِ پیمبرؐ ہیں دوستو

ہے غارِ ثور تک نہ رفاقت کا انحصار
وہ آج تک بھی نزدِ پیمبر ہیں دوستو

خود بھی صحابی، باپ بھی، بیٹا بھی، پوتا بھی
یہ چار پشتیں کتنی مُوقّر ہیں دوستو

دو سالہ اُن کی کوششیں بہرِ فروغِ دیں
صد سالہ کوششوں سے بھی بڑھ کر ہیں دوستو

بوئے گُلِ ثنائے عتیقی کا فیض ہے
جان و دلِ فریدی مُعطّر ہیں دوستو

✿

عکسِ تجلّیِ رخِ کعبہ تمھیں تو ہو
آئینۂ جمالِ دل آرا تمھیں تو ہو

قرآں میں اصحابہ سے جو ہے مُراد
وہ یارِ غار اے مرے آقا تمھیں تو ہو

بعدِ وصالِ حضرتِ محبوبِ کبریاؐ
سارے صحابیوں کا سہارا تمھیں تو ہو

میرے نبیؐ جو ختمِ رسالت مآب ہیں
پہلا ہے اُن کا کون خلیفہ، تمھیں تو ہو!

جانِ خلوص، جانِ یقیں، جانِ اتقیاء
بعدِ رسولؐ اے مرے آقا تمھیں تو ہو

امراضِ روح و قلب کا درماں تمھیں سے ہے
اُمت کے دردِ دل کا مداوا تمھیں تو ہو

ہاں اِک نگاہِ لُطف فریدیؔ پہ بھی ذرا
اِس بے نوا کے ملجا و ماوا تمھیں تو ہو

❀

نخستیں جانشینِ مصطفےٰؐ صدّیقِ اکبرؓ ہیں
خلیفہ اور بے فصل و خلا صدّیقِ اکبرؓ ہیں

یقیں کا قدِّ آدم آئینہ صدّیقِ اکبرؓ ہیں
محبّت کا مرقّع برملا صدّیقِ اکبرؓ ہیں

صداقت کی بہارِ جاں فزا صدّیقِ اکبرؓ ہیں
خلافت کا جمالِ دلربا صدّیقِ اکبرؓ ہیں

ریاضِ خُلد کی رنگیں فضا صدّیقِ اکبرؓ ہیں
چراغِ خانۂ صدق و صفا صدّیقِ اکبرؓ ہیں

سراپا رحمتِ عالم جہاں پر ہیں ضیا دافگن
وہیں آرام فرما باوفا صدّیقِ اکبرؓ ہیں

کوئی مانے نہ مانے میرا یہ ایمان ہے ہمدم
کہ روحِ اُمتتِ خیرالوریٰ صدّیقِ اکبرؓ ہیں

رفیقِ غار اور بدر و اُحد میں ساتھ تو تھے ہی
مجرّ میں قریبِ مصطفےٰؐ صدّیقِ اکبرؓ ہیں

عجب کیا اُمتِ احمدؐ کی کشتی پار لگ جائے
خدا کے فضل سے جب ناخدا صدّیقِ اکبرؓ ہیں

ثنا خواں ہو سوادِ اعظمِ مُسلم نہ کیوں اُن کا
پسندِ بارگاہِ کبریا صدّیقِ اکبرؓ ہیں

خدائے پاک نے بیشک اُولو الفضل اُن کو فرمایا
یقیناً ایک فردِ اِذْ ہُما صدّیقِ اکبرؓ ہیں

فریدیؔ سب صحابہ آبرو ہیں دینِ احمدؐ کی
نبیؐ کے بعد سب کے پیشوا صدیقِ اکبرؓ ہیں

✿

روئے عتیق نورِ نبوّت کا آئینہ
ذاتِ عتیق شانِ خلافت کا آئینہ

ہو سامنے ترے جو عقیدت کا آئینہ
آئے نظر عتیق کی عظمت کا آئینہ

قرآں ہے اُن کے فضل و کرامت کا آئینہ
قولِ رسولؐ اُن کی وجاہت کا آئینہ

میدانِ بدر اُن کی شجاعت کا آئینہ
اور غارِ ثور اُن کی رفاقت کا آئینہ

صدّیقؓ آج بھی ہیں قریبِ شہِ اُمم
خضرا ہے اُن کے قُرب و رفاقت کا آئینہ

ساری طریقت اور حقیقت اِسی میں ہے
دیکھو نگاہِ دل سے شریعت کا آئینہ

ہو مُنکرِ عتیق تو سیّد کہاں کے ہو؟
پھرتے رہو دکھاتے سیادت کا آئینہ

اے مدّعی تجھے نظر آتا نہیں ہے کیوں؟
اتنا قد آور اُن کی خلافت کا آئینہ

آئینے کی طرح یہ حقیقت ہے آشکار
صدّیقؓ ہیں مزاجِ نبوّت کا آئینہ

اَتقیٰ کہا ہے اُن کو علیم و خبیر نے
قرآں ہے اُن کے حُسنِ طبیعت کا آئینہ

تاریخ اور حدیث سے ثابت ہوئی یہ بات
صدّیقؓ ہیں رسولؐ کی سیرت کا آئینہ

ابنِ سبا کو چھوڑ، مُحبِّ عتیقؓ بن
رکھ صاف اپنے حسنِ عقیدت کا آئینہ

میں بھی فریدؔ مدح سرائے عتیقؓ ہوں
میرا بھی دل ہے اُن کی محبّت کا آئینہ

یہ منقبت ۲۱ فروری ۱۹۸۰ء کو محلہ قریشی امروہہ میں یوم صدیق اکبرؓ کے مشاعرے میں پڑھی گئی۔

ابوبکرؓ کا ہوں میں ادنیٰ سلامی
جو ہیں جانشینِ رسولِؐ تہامی

وہ صدّیقِ اکبرؓ کی زُلفِ معنبر
وہ بوبکرِؓ اعظم کا روئے گرامی

مجسّم مُروت، سراسر محبّت
سراپا کرم، مخزنِ خوش کلامی

وہ ہجرت کی شب ہمرہِ مصطفےٰؐ ہیں
مچلتی ہے نظروں میں یہ خوش خرامی

عجب حسنِ تدبیر و حکمت سے کی ہے
رسولِ معظّمؐ کی قائم مقامی

بعہدِ خلافت، کیا دیں کو مُحکَم
یہ کارِ نمایاں یہ خوش اہتمامی

ہے لیلائے کعبہ کا پُر کیف جلوہ
ہے صبحِ مدینہ کا اندازِ سامی

مناسب نہیں مدعی تجھ کو ہرگز
بہ شانِ ابوبکرؓ یہ بد کلامی

فریدی ثنا گوئے صدّیقؓ ہوں میں
کہیں مرحبا کیوں نہ سعدی و جامی

✿

حضرت صدّیقؓ کی بھی شان کیسی شان ہے
روحِ ایمان و عمل، صدق و صفا کی جان ہے

خانقاہ و مدرسہ، محراب و میدانِ جہاد
حضرت صدّیقِ اکبرؓ کا یہ سب فیضان ہے

اک مُسلسل کیف ہے ہر قول میں اُن کے نہاں
آپ کا ہر ہر عمل فعلِ نبیؐ کی شان ہے

حسنِ نیّت، حسنِ دل، حسنِ یقیں، حسنِ عمل
حضرتِ صدّیقؓ کی یہ امتیازی شان ہے

اے فریدی بات جو کہنے کی ہے کہتا ہوں میں

جو کرے اُن پر تبرّا، اُس کا کیا ایمان ہے؟

✽

ملے گا جذبۂ حبِ نبیؐ صدّیقِ اکبرؓ سے
کھُلے گا بابِ درسِ عاشقی صدّیقِ اکبرؓ سے

فقط اعلیٰ و افضل ہیں نبیؐ صدّیقِ اکبرؓ سے
صحابہؓ میں نہیں افضل کوئی صدّیقِ اکبرؓ سے

بہارِ تازہ آئی گلشنِ دینِ پیمبرؐ میں
گلِ ایماں نے پائی تازگی صدّیقِ اکبرؓ سے

عداوت ہر صحابی سے نشانِ سلبِ ایماں ہے
خفا ہوگا یارِ جانبازِ نبیؐ صدّیقِ اکبرؓ سے

ہے پرتوِ سینۂ بوبکرؓ میں مہرِ نبوت کا
دلِ مومن میں ہے تابندگی صدیقِ اکبرؓ سے

وہ کیسا عہدِ روحانی تھا جس میں فیض پاتے تھے
عمرِ فاروقؓ و عثمان و علیؓ صدیقِ اکبرؓ سے

فریدی مدّعی سے بات یہ ایمان کی کہہ دو
نبیؐ سے دشمنی ہے، دشمنی صدیقِ اکبرؓ سے

✽

ابوبکرؓ و عمرؓ کس شان کے اللہ اکبر ہیں
نبیؐ کے جانشیںؓ اور آج تک نزدِ پیمبرؐ ہیں

سپہرِ حکمت و اخلاق کے ماہِ منوّر ہیں
بہارِ گلشنِ ایماں کے اک تازہ گلِ تر ہیں

ابوبکرِ معظمؓ مظہرِ لطفِ پیمبر ہیں
وہ شمعِ دین و ملت ہیں چراغِ بزمِ سرور ہیں

چمن کا بوٹا بوٹا اور گلشن کا ہر اک پتّا
یہ کہتا ہے کہ بعدِ انبیا وہ سب سے بڑھ کر ہیں

نبیؐ کو اپنی بیٹی دی، لیا پروانۂ جنّت
بڑے تقدیر والے ہیں، بڑے عالی مُقدّر ہیں

اشارہ پا کے سارا مال و ساماں کر دیا قرباں
یہی تو رازدارِ چشم و ابروئے پیمبرؐ ہیں

ہیں یارِ غارِ حضرتؐ اور رفیقِ راہِ ہجرت بھی
جو سچ پوچھو تو وہ ہی محرمِ اسرارِ سَرور ہیں

کوئی مانے نہ مانے میں تو یہ کہتا ہوں اے ہمدم
وہ ہیں اعدائے دیں جو دشمنِ صدّیقِ اکبرؓ ہیں

فلک بھی جن کی رفعت دیکھ کر حیران و ششدر ہے
وہ چاروں دَر ابوبکرؓ و عمرؓ، عثمانؓ و حیدرؓ ہیں

الٰہی اُمّتِ ختمِ رُسلؐ کی لاج رکھ لینا
عدو اِس کے زیادہ اور کم ہمدرد و یاور ہیں

ہیں شاہد چاند، سورج اور ستارے ان کی عظمت کے
ہیں ان کے فیضِ جاری کا نشاں جتنے سمندر ہیں

فریدی خرمنِ صدیق رضؓ کا ہوں خوشہ چیں میں بھی
وہ منبع ہیں کرم کا، لطفِ بے پایاں کا مصدر ہیں

مناقب

امیر المومنین حضرت عمر بن الخطاب فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ

٭

زہے عظمتِ شانِ فاروقِ اعظمؓ
ملائک ہیں دربانِ فاروقِ اعظمؓ

سلاطیں کو اپنی نظر میں نہ لائے
غلامِ غلامانِ فاروقِ اعظمؓ

قریبِ شہِ دوسرا آج تک ہیں
ذرا دیکھ لے شانِ فاروقِ اعظمؓ

نظر بر خدا دل بہ حُبِّ محمدؐ
یہ ہے ساز و سامانِ فاروقِ اعظمؓ

ہوا و زمیں، آب و آتش پہ یکساں
مؤثّر تھا فرمانِ فاروقِ اعظمؓ

انھیں کی بدولت ملی دولتِ دیں
یہ کیا کم ہے احسانِ فاروقِ اعظمؓ

اُجالا ہے کونین میں اُس کے باعث
زہے نورِ ایمانِ فاروقِ اعظمؓ

فریدی بفیضِ محمدؐ یقیں ہے
رہوں زیرِ دامانِ فاروقِ اعظمؓ

❁

عمرؓ سے رابطہ اپنا کبھی کم ہو نہیں سکتا
یہ نورِ شمعِ ایماں ہے، یہ مدّھم ہو نہیں سکتا

نظامِ عدلِ فاروقیؓ اگر قائم نہ ہو ہمدم
کسی صورت قیامِ امنِ عالم ہو نہیں سکتا

زمانہ لاکھ بدلے، گو ہزاروں انقلاب آئیں
غلامانِ عمرؓ کو کوئی بھی غم ہو نہیں سکتا

عمرؓ کے نام لیوا کا ہے نصب العین حق کوشی
کبھی باطل کے آگے اُس کا سر خم ہو نہیں سکتا

پس از ختمِ رُسلؐ اور بعدِ صدّیقِ معظمؓ کے
کوئی بھی ہمسرِ فاروقِ اعظمؓ ہو نہیں سکتا

ہمارے سامنے تاریخ ہے فاروقِ اعظمؓ کی
ہمارا جوشِ ایماں خیز مدّھم ہو نہیں سکتا

حکومت ہے عمرؓ کی آب و باد و خاک و آتش پر
قیامت تک عمرؓ کا مرتبہ کم ہو نہیں سکتا

عمرؓ کے دشمنوں سے اہلِ دل کے دل نہیں ملتے
میانِ حق و باطل ربطِ باہم ہو نہیں سکتا

عمرؓ کی شان میں گستاخیاں توبہ، معاذ اللہ
یہ طرزِ امّتِ فخرِ دو عالم ہو نہیں سکتا

عمرؓ کے نام میں تاثیر ہے رفعِ حوادث کی
حوادث ہوں نہ اُن کے نام سے کم ہو نہیں سکتا

عمرؓ کے نام سے شیطان اب تک کانپ جاتا ہے
حریفِ نامِ حضرتؓ اُس کا دَم خم ہو نہیں سکتا

بلائے جان و دل ہے دشمنیِ فاروقِ اعظمؓ سے
یہ ہے وہ زخمِ مہلک جس کا مرہم ہو نہیں سکتا

فریدی حضرت فاروقؓ سے مجھ کو تعلّق ہے
علائق سے مرا جذبِ دروں کم ہو نہیں سکتا

یہ منقبت شب بست و نہم ۲۹ ذی الحجہ ۱۳۸۵ھ موافق ۲۰ اپریل ۱۹۶۶ء کو "یوم فاروق اعظمؓ" کے طرحی مشاعرے میں پڑھی گئی۔

✽

مصرعِ طرح: بزمِ محبوبِ خدا ہے بزمِ سرکارِ عمرؓ

روحِ ایماں، جانِ ملّت قول و گفتارِ عمرؓ
سطوتِ اسلام کا ضامن ہے کردارِ عمرؓ

قولِ حق کا آئینہ ہے حُسنِ گفتارِ عمرؓ
لوحِ دل پر ثبت ہے ہر نقشِ کردارِ عمرؓ

قابلِ تقلید ہیں عادات و اطوارِ عمرؓ
نور کا مینار ہیں دنیا میں آثارِ عمرؓ

قوّتِ دیں کا سبب ہے جو ہے شہکارِ عمرؓ
عدل کی تصویر ہے آئینِ سرکارِ عمرؓ

موت ہے باطل کے حق میں عزمِ بیدارِ عمرؓ
امن کا پیغام ہے شمشیرِ بیکارِ عمرؓ

گردشِ افلاک بھی جس کے مقابل ہیچ ہے
اس قدر تھی راہِ حق میں تیز رفتارِ عمرؓ

جذبۂ خُلق و مُروّت عام ہوتا جائے گا
جس قدر کھُلتے چلے جائیں گے اسرارِ عمرؓ

دامنِ آفاق پُر ہے جلوۂ فاروقؓ سے
دیکھ رقصاں ہیں ہمالہ پر بھی انوارِ عمرؓ

مسجدِ اقصیٰ کی محرابوں سے آتی ہے صدا
آج مصر و شام کو درکار ہے کارِ عمرؓ

آج محتاجوں غریبوں کا نہیں پُرساں کوئی
کاش پھر بر روئے کار آجائے ایثارِ عمرؓ

ہر دو عالم اُن کے دلقِ کہنہ کی قیمت نہیں
رُوکشِ صد تاج ہے اک تارِ دستارِ عمرؓ

اب کہاں توحید کے سائے میں آفاقی نظام
دیکھ یہ جنسِ گرانمایہ بدر بارِ عمرؓ

اے فریدی نسبتِ فاروقؓ حاصل ہے ضرور
پر کہاں وہ قوّتِ گفتار و کردارِ عمرؓ

چرخ سے اونچے بہت اونچے ہیں درجاتِ عمرؓ
عرش کے ہم پایہ ہیں سارے مقاماتِ عمرؓ

اے خوشا منجملۂ آیاتِ حق ذاتِ عمرؓ
شاہدِ صدق و صفا ہیں سب علاماتِ عمرؓ

ترجمانِ روحِ پیغمبرؐ ہیں جذباتِ عمرؓ
آئینہ ہیں سیرتِ آقاؐ کا عاداتِ عمرؓ

ہیں حدِ ادراک سے باہر کمالاتِ عمرؓ
بس خدا ہی جانتا ہے وزنِ طاعاتِ عمرؓ

آگ میں، پانی میں، مٹی میں، ہوا میں دیکھ لے
ہیں عیاں چاروں عناصر میں کراماتِ عمرؓ

کون اندازہ لگا سکتا ہے اُن کے اجر کا
حسنِ نیّت اور پھر یہ حسنِ خدماتِ عمرؓ

آج بھی نامِ عمرؓ ہے ضامنِ امن و اماں
ہے یہ اک ادنیٰ کرامت از کراماتِ عمرؓ

روز و شب، صبح و مسا تھا فکرِ حق اور فکرِ رب
صَرف ہوتے تھے انہیں فکروں میں اوقاتِ عمرؓ

رُونما ہوتیں نہ یہ بدحالیاں، بدامنیاں
ہوتے گر دنیا میں رائج انتظاماتِ عمرؓ

کیسے روشن، کیسے اعلیٰ، کیسے جاں بخش و حسیں
وجد سا آتا ہے جب پڑھتا ہوں حالاتِ عمرؓ

خود تو ہے آقا پیادہ اور ناقے پر غلام
عدلِ فاروقی ہے یہ، اور یہ مساواتِ عمرؓ

اے فریدی دین و دنیا کے لیے درکار ہیں
لطفِ حق، لطفِ نبیؐ، لطف و عنایاتِ عمرؓ

یہ منقبت مجلہ 'شانِ فاروق' ۱۹۸۱ء میں شائع ہوئی۔

کائناتِ دہر میں رقصاں ہے تنویرِ عمرؓ
جلوہ گر اکنافِ عالم میں ہے تاثیرِ عمرؓ

کیمیائے زندگی ہے اُن کا ہر قول و عمل
ہاتھ سے جانے نہ دے ہمدم یہ اکسیرِ عمرؓ

میرا کیا منھ ہے کہ میں توصیف اُن کی کر سکوں
ہے عیاں قرآں سے خود توصیف و توقیرِ عمرؓ

اہلِ دل نے بزمِ دیں میں یہ بھی دیکھا بارہا
بن گئی ہے وحی کی تمہید تقریرِ عمرؓ

اللہ اللہ یہ عُلو، یہ مرتبہ، یہ عزّ و شان
چلتی ہے تقدیر کے سائے میں تدبیرِ عمرؓ

جذبِ خالص، شوقِ بے پایاں سلامت چاہیے
دل کے آئینے میں کھنچ آئے گی تصویرِ عمرؓ

اے فریدیؔ میں بھی ہوں اُس قافلے میں جس کے ہیں
قافلہ سالار، میرِ عاشقاں، میرِ عمرؓ

مطبوعہ مجلہ "شانِ فاروق"، ۱۹۷۸ء

❀

برطرح : آرزوئے مصطفیٰ کا نام ہے نامِ عمرؓ

ہے رواں روئے زمیں پر سکۂ نامِ عمرؓ
آج تک پانی پہ بھی جاری ہیں احکامِ عمرؓ

عظمتِ اسلام کا ضامن ہے اسلامِ عمرؓ
ملتِ بیضاء کا سرمایہ ہے پیغامِ عمرؓ

جھک رہا ہے آسماں از بہرِ اکرامِ عمرؓ
رکھتے ہیں آنکھیں ملائک زیرِ اقدامِ عمرؓ

خانۂ کعبہ سے پوچھو سطوتِ فاروقؓ کو
مسجدِ اقصیٰ سے پوچھو رفعتِ بامِ عمرؓ

دھوم ہے آفاق میں فاروقؓ کے انصاف کی
گونجتا ہے گنبدِ افلاک میں نامِ عمرؓ

آپ کا آغاز تھا سامانِ ایمان و یقیں
ہے شہادت کا امانت دار انجامِ عمرؓ

ساقیِ کوثر کے متوالو رکھو اُس کی طلب
رہنمائے کوثر و تسنیم ہے جامِ عمرؓ

گردشِ افلاک بھی اُس کے مقابل ہیچ ہے
برق درآغوش ہے سرعت میں ہر گامِ عمرؓ

روس و امریکا کے سائے سے بچا نا اے خدا
رکھنا اسلامی ممالک زیرِ احکامِ عمرؓ

ہیں علیؓ بے فصل حقدارِ خلافت اور وصی
مدعی یہ خوب سوجھی بعدِ ایّامِ عمرؓ

طمطراقِ قیصر و کسریٰ ملا سب خاک میں
اے فریدیؔ کتنے پُر شوکت تھے ایّامِ عمرؓ

❀

مایۂ فقر و توکّل ساز و سامانِ عمرؓ
ٹمٹماتا اک دِیا، روحِ شبستانِ عمرؓ

پھوتا پھلتا رہے یا رب گلستانِ عمرؓ
روز افزوں ہر دو عالم میں رہے شانِ عمرؓ

وہ نہیں مومن تو اُمت میں کوئی مومن نہیں
ہے شہادت سب کے ایمانوں کی ایمانِ عمرؓ

ایک جاں دو قالبوں والی مثل صادق ہوئی
متّحد تھی یوں علیؓ کی جان سے جانِ عمرؓ

کوئی اس احسان کا بدلہ چکا سکتا نہیں
ہے سروں پر اہلِ دیں کے بارِ احسانِ عمرؓ

سب صحابہؓ کا اُسے عرفان حاصل ہو گیا
جس کو حاصل ہو گیا قسمت سے عرفانِ عمرؓ

اُن کا رتبہ، اُن کا درجہ ماورائے عقل ہے
ہیں خدا و مصطفےٰؐ بس مرتبہ دانِ عمرؓ

ان کے تابع آب و باد و خاک و آتش ہی نہیں
کُل جہانِ رنگ و بو ہے زیرِ فرمانِ عمرؓ

غور سے دیکھو نقوشِ سیرتِ فاروقؓ کو
ہیں ثنا خوانِ عمرؓ امثال و اقرانِ عمرؓ

مسجدِ اقصیٰ کے بام و در سے آتی ہے صدا
سو گئے ہیں کس جگہ جا کر غلامانِ عمرؓ

موجبِ صد زندگی اُن کی کتابِ زندگی
زندہ و تابندہ ہے نامِ عمرؓ، شانِ عمرؓ

صد منارِ اوج و رفعت پردہ ہو گی جلوہ گر
گھٹ نہیں سکتی کبھی تنقید سے شانِ عمرؓ

اے فریدی تو بھی ہو بزمِ عمرؓ میں نغمہ خواں
جمع ہیں اِس بزم میں سارے ثنا خوانِ عمرؓ

مطبوعہ مجلّہ "شانِ فاروقؓ"، امروہہ ۱۳۹۹ — ۱۴۰۰ھ/۱۹۷۹ — ۸۰ء

❀

عمرؓ کی شخصیت زینت دہِ بزمِ خلافت ہے
عمرؓ کا آج تک مرہون، آئینِ عدالت ہے

عمر فاروقؓ کا باطل شکن انداز تھا جیسا
اُسی انداز کے پھر ایک رہبر کی ضرورت ہے

نہیں کچھ منحصر آب و ہوا و خاک و آتش پر
عمر فاروق اعظمؓ کی دلوں پر بھی حکومت ہے

عمرؓ کی ذاتِ عالی میں نہاں ہے کس قدر خوبی
ذکاوت ہے، فِراست ہے، عدالت ہے، شجاعت ہے

زبانِ دُر فشانِ حضرتِ فاروقِ اعظمؓ میں
فصاحت ہے، بلاغت ہے، خطابت ہے، صداقت ہے

عمرؓ سے جو رکھے مہر و عقیدت اُس کے حصہ میں
یہاں بھی ہے سکونِ دل وہاں بھی لطفِ جنت ہے

عدوئے حضرتِ فاروقِ اعظمؓ کے مقدر میں
نحوست ہے، کدورت ہے، صعوبت ہے، عقوبت ہے

یہ دیکھو حضرتِ فاروقؓ کے دورِ خلافت میں
سکوں ہے، امن ہے، راحت ہے، انصاف و عدالت ہے

معاذ اللہ یہ طرزِ حکومت دورِ حاضر کا
دغا ہے، جبر ہے، ظلم و ستم ہے اور رشوت ہے

صحابہؓ کے مناقب کی مجھے توفیق بخشی ہے
فریدی درحقیقت یہ بھی اک رب کی عنایت ہے

دلِ درد آشنا شائستۂ نذرِ عمرؓ دے دے
مرے مولا مجھے اخلاص کے لعل و گہر دے دے

صحابہؓ سے عداوت ذہنِ انساں کی گراوٹ ہے
خداوندا عدو کو امتیازِ خیر و شر دے دے

عمرؓ کے نغمہ خواں کو پھر خدا دے شانِ شہبازی
اور اک مایوسِ رفعت کو نویدِ بال و پر دے دے

نئے انداز سے پھر ناقدِ فاروقؓ آیا ہے
مؤرخ پھر جواب اُس کو باندازِ دگر دے دے

بڑا ہی روح فرسا انتشارِ اہلِ ملّت ہے
خداوندا کوئی رہبر باندازِ عمرؓ دے دے

جواہر ہیں مضامیں نعت اور مدحِ صحابہ کے
خدا چاہے جسے یہ بے بہا لعل و گہر دے دے

الٰہی حضرتِ فاروقِ اعظمؓ کے وسیلے سے
نہالِ باغِ دیں کو زُہد و تقویٰ کے ثمر دے دے

عمرؓ کا علم و تقویٰ، سعیِ پیہم، جوشِ ایمانی
الٰہی ہر مسلماں کو یکے بعدِ دگر دے دے

یہ ایراں مانگتا ہے پھر عمرؓ کا عدل اور تقویٰ
کوئی جا کر وہاں کے حکمرانوں کو خبر دے دے

کسی کا کیا اِجارہ ہے خدا کی دین ہے ہمدم
اگر دستِ عمرؓ میں وہ نظامِ بحر و بَر دے دے

فریدیؔ کائناتِ قلب میں فاروقؓ کی عظمت
بڑی شے ہے خدا ے پاک بندے کو اگر دے دے

یہ منقبت ۲۸؍ ذی الحجہ ۱۴۰۲ھ کو "یوم فاروق اعظمؓ" کے مشاعرے میں پڑھی گئی۔

❀

عمرؓ کا سینہ مشکوٰۃِ نبوّت سے فروزاں ہے
عمرؓ کا چہرۂ انور چراغ دین و ایماں ہے

عمرؓ کے حوصلہ میں وسعتِ افلاک پنہاں ہے
عمرؓ کی ہمّتِ عالی امینِ نظمِ دَوراں ہے

عمرؓ کا قلبِ فیض آگیں گلستاں در گلستاں ہے
عمرؓ کی چشمِ اقدس میں بہارِ خُلد رقصاں ہے

مبارک، دل نشیں، روحِ عمل، حرزِ دل و جاں ہے
عمرؓ کا نام بھی، نامِ خدا راحت بداماں ہے

عمرؓ سے دوستی سرمایۂ ذوقِ مسلماں ہے
عمرؓ سے دشمنی بربادی و زحمت کا ساماں ہے

حیات اُن کی رفاہِ عام ہے تعمیرِ انساں ہے
ممات ان کی شہادت ہے، نظامِ عدل و احساں ہے

ہوا ہو، خاک ہو، آتش ہو یا دریا کا پانی ہو
جو ہے چاروں عناصر ہیں، عمرؓ کا زیرِ فرماں ہے

عراق و شام ہو، ایراں ہو، یا مصر و فلسطیں ہو
عیاں اِن سے فتوحاتِ عمرؓ کی عظمتِ شاں ہے

یہ امریکا، یہ روس، اِس دور کے ہیں قیصر و کسریٰ
مُجاہد تو عمرؓ سے رابطہ رکھ فتح آساں ہے

عمرؓ کی شان میں کمبخت یہ گستاخیاں کرنا
شقاوت ہے، ضلالت ہے، تنبہ کاری کا ساماں ہے

فریدی جاہ و شوکت دیکھ کر فاروق اعظم رضؓ کی
سکندر بھی مثالِ آئینہ ششدر ہے حیراں ہے

مطبوعہ مجلہ "شانِ فاروق رضؓ" ۱۴۰۲ھ/۱۹۸۲ء

❁

اوّلاً فاروقؓ کے بینشِ نظر تقدیر ہے
پھر قدم محکم، عمل پیہم، پئے تدبیر ہے

ہمرہِ سوزِ دروں تنظیم ہے، تعمیر ہے
بادلِ درد آشنا تحریر ہے تقریر ہے

حضرتِ فاروقؓ کا فیضان عالم گیر ہے
ذاتِ عالی قدرِ آدم عدل کی تصویر ہے

صدقِ دل سے جس کو ہے اُلفت عمر فاروقؓ کی
پاس اُس کے کیمیا ہے، نسخۂ اکسیر ہے

اے خوشا چشمِ عمرؓ جس پہ پڑی کُندن بنا
سرورِ کونین ﷺ کی صحبت کی یہ تاثیر ہے

چھوڑ کر دامن عمرؓ کا یہ زبوں حالی ہے آج
مردِ مُسلم صید گاہِ ظلم کا نخچیر ہے

جس کو ڈالا تھا عمرؓ نے از پے اِجرائے آب
نیلؔ کی موجوں میں اب تک ثبت وہ تحریر ہے

ہے عمرؓ کی عاملوں کو جس میں تاکیدِ نماز
آبِ زر سے لکھنے کی حقدار وہ تحریر ہے

چہرۂ انورِ عمرؓ کا ہے پُر از رُعب و وقار
باطنِ اقدس نہ پوچھو عالمِ تنویر ہے

اُن کا ہوں میں اور اُن کا ماننے والا بھی ہوں
جاننا اُن کو نہیں یہ شرم دامن گیر ہے

دیکھتا کیا ہے عمرؓ کی آنکھ کے تنکے کو تو
بے خبر نقّادؔ تیری آنکھ میں شہتیر ہے

شام و ایراں میں نصیری اور خمینی کا ہے راج
اے خدا کوئی عمرؓ آنے میں کیا تاخیر ہے؟

تجربہ ہے حضرتِ شاہ ولی اللہؒ کا
ذکر میں فاروق اعظمؓ کے بڑی تاثیر ہے

اے فریدیؔ پھر کھُلے گا میکدہ فاروقؓ کا
ساغر و مینا ہیں سب موجود کیوں دلگیر ہے

یہ منقبت مجلہ "شانِ فاروق" شمارہ ۹ ۱۴۰۵ھ/۱۹۸۵ء میں شائع ہوئی۔

عمرؓ کو رحمتِ غفّار کہیے
سراپا شفقت و ایثار کہیے

نبیؐ کا محرمِ اَسرار کہیے
رفیقِ سیّدِ ابرارؐ کہیے

وہی خُو ہے وہی بوئے دل آویز
اُنھیں عکسِ جمالِ یار کہیے

وہ روشن قلب ہے حضرت عمرؓ کا
کہ جس کو مطلعِ انوار کہیے

امیرِ عدل گستر، عدل پرور
رئیس و زُبدہ، اُخیار کہیے

ہماری کشتیِ ملّت کا اُن کو
ہر اک طوفاں میں کھیون ہار کہیے

عمرؓ کو کاروانِ اہلِ دل کا
امیرِ قافلہ سالار کہیے

بسر کی عمر سب تعمیرِ دیں میں
عمرؓ کو دین کا معمار کہیے

وہ زرّیں دَور ہے حضرت عمرؓ کا
جسے تاریخ کا شہکار کہیے

پلٹ آئے اگر پھر دورِ فاروقؓ
سَماں وہ ہو جسے گلبار کہیے

فریدؔی جا کے درگاہِ عمرؓ میں
سلامِ شوق لاکھوں بار کہیے

خود سری ہے، گرم جور و ظلم کا بازار ہے
اے عمر فاروقؓ تجھ سا حکمراں درکار ہے

ایک وہ سرکار، عدل و امن کی ضامن تھی جو
ایک یہ سرکار، جو بس نام کی سرکار ہے

بعد صدّیقِ معظّمؓ بہرِ تعمیرِ حیات
ساری اُمّت کا عمرؓ ہی قافلہ سالار ہے

چاہیے تنظیمِ ملّت کے لیے عقلِ سلیم
وہ عمرؓ کا سا تدبّر پھر ہمیں درکار ہے

سارے انسانوں کو امن و عدل جو دیتے رہے
اپنی ملت کی حفاظت خود انھیں دشوار ہے

غیر کے دھوکے میں آکے اپنی ملت کو نہ بھول
عظمتِ فاروقؓ کا تجھ کو اگر اقرار ہے

اے فلک چشمِ حقارت سے فریدیؔ کو نہ دیکھ
ہے یہ فاروقی، غلامِ سیدِ ابرارؐ ہے

❁

بنتِ زہراؓ زوجہ و ہمراز و دمسازِ عمرؓ
حبّذا حیدرؓ کی نظروں میں یہ اعزازِ عمرؓ

کس قدر اللہ کو پیارا ہے اندازِ عمرؓ
کھیلتا ہے رحمتوں کی گود میں نازِ عمرؓ

برق کی رفتار سے آگے ہے آوازِ عمرؓ
شہپرِ جبریلؑ سے اونچی ہے پروازِ عمرؓ

روحِ مومن بن گئی ہے مرکبِ نازِ عمرؓ
دل نشیں ہے، ہم نشیں کس درجہ اندازِ عمرؓ

اللہ اللہ سعیِ پیہم اور مسلسل کوششیں
تھی فروغِ دیں کی خاطر سب تگ و تازِ عمرؓ

جاں فدا کر دے گا اپنی عظمتِ فاروقؓ پر
جان کی پروا نہیں کرتا یہ جانبازِ عمرؓ

نیل کے ساحل سے لے کر تا بہ ارضِ کاشغر
پھر سنائی دے رہا ہے نغمۂ سازِ عمرؓ

مسجدِ اقصیٰ کی دیواروں سے، بام و سقف سے
آ رہی ہے آج بھی کانوں میں آوازِ عمرؓ

ہے نشیمن اُس کا ایثار و اخوّت کی فضا
عدل و حق کوشی ہیں دو بازوے شہبازِ عمرؓ

جان لینے کو چلے، پائی حیاتِ جاوداں
معجزہ ہے متّفق انجام و آغازِ عمرؓ

کارساز و کارپردازِ فریدی ہے وہی
جو خدا تھا کارساز و کارپردازِ عمرؓ

مجلہ سالانہ 'شانِ فاروقؓ' امروہہ ۱۳۹۷ھ/۱۹۷۷ء میں شائع ہوئی اور ماہنامہ 'شاہینِ خیال' امروہہ کے شمارہ دسمبر ۱۹۸۸ء میں بھی نقل کی گئی۔

❀

مصرعۂ طرح　　عمرؓ سے آشنا جو دل نہیں وہ دل نہیں ہوتا

عمرؓ کا نام لیوا خوگرِ باطل نہیں ہوتا
بجز حق کے کسی جانب بھی وہ مائل نہیں ہوتا

عمرؓ کا نکتہ چیں شایستۂ محفل نہیں ہوتا
وہ ہے نقّاد اُن کا جو کسی قابل نہیں ہوتا

جو فاروقِ گرامی قدرؓ پر مائل نہیں ہوتا
وہ دل کہنے کو دل ہے در حقیقت دل نہیں ہوتا

سبق اُس کو فلاح و خیر کا حاصل نہیں ہوتا
دبستانِ عمرؓ میں آ کے جو داخل نہیں ہوتا

عمرؓ کی رہنمائی گر نہ ہو بحرِ سیاست میں
جہازِ زندگی آسودۂ ساحل نہیں ہوتا

عمرؓ کی زندگی سرمایۂ چشمِ مؤرّخ ہے
کبھی نظروں سے پوشیدہ مہِ کامل نہیں ہوتا

نہایت معتدل مسلک ہے مسلک اہلِ سنّت کا
خروج و رفض کا کوئی یہاں قائل نہیں ہوتا

نمازِ آخری، محرابِ سرور اور وضو خوں سے
کہیں بھی اِس نرالی شان کا بسمل نہیں ہوتا

نشاناتِ کفِ پائے عمرؓ رہبر بنے جس کے
وہ رہروِ دہر میں گم کردۂ منزل نہیں ہوتا

فریدیؔ جو بھی محرومِ ادب گستاخ فطرت ہے
وہ بزمِ حضرتِ فاروقؓ کے قابل نہیں ہوتا

مجلہ 'شانِ فاروق' ۱۳۹۹ـــــ ۱۴۰۰ھ/۱۹۷۹ـــ ۱۹۸۰ء میں شائع ہوئی۔

مناقب

امیر المومنین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ

❀

جانشینِ مصطفےؐ روح و رَوانِ یارِ غارؓ
حضرتِ عثماںؓ گروہِ اہلِ سنّت کے وقار

منبعِ حلم و کرم ، سرچشمۂ جود و سخا
باحیا و با تواضع ، بامروّت ، باوقار

اُن کے اُٹھتے ہی خزاں دیدہ ہوا سارا جہاں
اُن کے دم سے گلشنِ عالم میں آئی تھی بہار

سَر دیا ، امرِ خلافت کی مگر عظمت نہ دی
ہے حیاتِ حضرتِ عثماںؓ کا یہ بھی شاہکار

خون کے قطرے سرِ مصحف نظر آتے ہیں جو
کر رہے ہیں سرخئ افسانۂ غم آشکار

محسنِ عالم کو رضؓ جس نے کنبہ پرور کہہ دیا
دامنِ تاریخ و سیرت کو کیا ہے تار تار

دیکھ بوبکرؓ و عمرؓ، عثمانؓ و حیدرؓ کا مقام
چار عنصر جسمِ دیں کے واسطے یہ چار یار

سرورِ کونینؐ نے دو بیٹیاں دیں آپ کوؓ
حبّذا یہ شانِ عالی، یہ مقامِ افتخار

ماہِ قربانی میں بہرِ دینِ حق قرباں ہوئے
پائی عمرِ جاوداں دے کر حیاتِ مستعار

ایک ہوں مسلم قیامِ امنِ عالم کے لیے
یہ ہے ملت کا تقاضا، روحِ عثمانؓ کی پکار

اے فریدیؔ تو بھی پڑھ اک منقبت اِس بزم میں
جمع ہیں عشّاقِ عثمانی قطار اندر قطار

قلبِ عثمانؓ اہلِ دل کا قافلہ سالار ہے
جذبۂ عثمانؓ شہادت کا علمبردار ہے

ذاتِ عثمانؓ صانعِ قدرت کا اک شہکار ہے
اُن کی خُو، خوئے نبیؐ کی آئینہ بردار ہے

ذاتِ عثمانؓ رہنما ہے، نور کا مینار ہے
حق و باطل کی کسوٹی دین کا معیار ہے

مصدرِ لطف و عطا ہے مرکزِ حلم و حیا
ذات ذوالنورینؓ کیا ہے مجمعِ انوار ہے

ہے مسلّم حضرتِ عثمانؓ کا ایثار و کرم
بیرِ رُومہ اب بھی اُن کا شاہدِ ایثار ہے

ناقدِ عثمانؓ ترا موقف بڑا کمزور ہے
دیکھ تیرے سامنے اک آہنی دیوار ہے

نکتہ چیں کو ذاتِ عثمانؓ سے بھلا نسبت ہی کیا
وہ فقط گفتار، یہ کردار ہی کردار ہے

اے فریدی مدحِ ذوالنورینؓ کا یہ ہے صلہ
میرے دل کا گوشہ گوشہ مطلعِ انوار ہے

سیرتِ سرکارؐ کا اک آئینہ عثمانؓ ہیں
جن کو ذوالنورین کا تمغہ ملا عثمانؓ ہیں

عہد کے اپنے امام اتقیا عثمانؓ ہیں
بعد شیخینؓ اہلِ دیں کے پیشوا عثمانؓ ہیں

حق نواز و حق طراز و حق نما عثمانؓ ہیں
دل پذیر و دل کشا و دل رُبا عثمانؓ ہیں

خوش خصال و خوش کلام و خوش لِقا عثمانؓ ہیں
خوش طبیعت، خوش مزاج و خوش ادا عثمانؓ ہیں

بیعتِ رضواں نے کر دی یہ حقیقت واشگاف
مظہرِ شانِ محمدّ مصطفےٰ[ؐ] عثمان[رضؓ] ہیں

بیرِ رومہ کہہ رہا ہے یہ زبانِ حال سے
در حقیقت واقفِ رازِ بقا عثمان[رضؓ] ہیں[ا]

خونِ عثمان[رضؓ] رنگ لایا چہرۂ سازش کھلا
موجبِ ناکامیِ ابنِ سبا عثمان[رضؓ] ہیں

اے فریدیؔ میں بھی ہوں ادنیٰ ثنا خوانِ غنی[رضؓ]
میرے دل کا مدّعا اور آسرا عثمان[رضؓ] ہیں

ا ثانیاً یہ شعر بھی نظم فرمایا ہے ؎

بیرِ رومہ کو کیا ہے وقف کس کی ذات نے
کون ہے یہ منبعِ جود و سخا عثمان[رضؓ] ہیں

❀

حضرتِ عثمانؓ سراپا حکمتوں کا آئینہ
قدِ آدم مصطفٰیؐ کی سیرتوں کا آئینہ

جیشِ عُسرت ہے غنیؓ کی نُصرتوں کا آئینہ
بیعتِ رضواں ہے ان کی عظمتوں کا آئینہ

قلبِ عثماں وہ کشادہ قلبِ اللہ غنی
وسعتِ افلاک جس کی وسعتوں کا آئینہ

اُن کی آنکھیں مظہرِ نورِ نبوت بالیقیں
اُن کا چہرہ شاہِ دیںؐ کی رحمتوں کا آئینہ

آج جو بھی سیرتِ عثمانؓ سے ناواقف رہا
کل کو ہوگی اُس کی صورت حسرتوں کا آئینہ

جتنی ازواجِ نبیؐ ہیں اُن میں سے ہر ایک فرد
محرمِ اسرارِ دیں ہے خلوتوں کا آئینہ

جتنے اصحابِ نبیؐ ہیں اُن میں ہر اک بے گماں
واقفِ سرِّ یقیں ہے، جلوتوں کا آئینہ

مسجدِ نبوی ہے اُن کے حسنِ باطن کی نمود
بیرِ رُومہ اُن کی گہری شفقتوں کا آئینہ

آیتِ قرآں ہے خود اُن کی شہادت پر گواہ
اور حدیثِ پاک اُن کی خدمتوں کا آئینہ

زوجِ بنتانِ نبیؐ ہیں یعنی ذوالنورینؓ ہیں
یہ لقب ہے اُن کی دُہری نسبتوں کا آئینہ

کیسے دکھلاؤں اُسے عثمانؓ کی عالی ہمّتی
مدعی کے پاس ہے کم ہمتوں کا آئینہ

اپنا بن کر آپ پر الزام کنبہ پروری
یہ عمل بھی ہے سبائی جراٗتوں کا آئینہ

اے فریدی مرقدِ عثمانؓ بقیعِ پاک میں
جنّتوں کا ہے مرقع، رحمتوں کا آئینہ

ہاں غنیؓ کو جانشینِ ساقیِ کوثرؐ کہو
یادگارِ عظمتِ اصحابِ پیغمبرؐ کہو

مدحِ عثمان غنیؓ کو مدحِ پیغمبرؐ کہو
یہ حقیقت دار پہ اور برسرِ منبر کہو

اُمِّ کلثومؓ و رُقیہؓ کا انھیں شوہر کہو
کون ہے اِس شان کا دامادِ پیغمبرؐ کہو

مرکزِ توحید کا عثمانؓ کو محور کہو
اہلِ تسلیم و رضا کا مُرشد و رہبر کہو

جس طرح ذاتِ نبیؐ تنقید سے ہے بالاتر
اِس طرح تنقید سے عثمانؓ کو بالاتر کہو

بیرِ رُومہ سے عیاں ہے آپ کی دریا دلی
جیشِ عُسرۃ کو بھی اُن کے عزم کا لشکر کہو

اُن کے خونِ پاک کی چھینٹیں ہیں حسِ قرآن پر
اب بھی وہ موجود ہے، منکر سے یہ جا کر کہو

ہے بقیعِ پاک میں مدفون جو اک جانِ پاک
اُس کو ایثار و حیا کا قیمتی گوہر کہو

اے فریدی مدح گوئے حضرتِ عثمانؓ ہو تم
اِس کو بھی اک خاص لطفِ خالقِ اکبر کہو

اک نظر دو نور والے کی یہ ساماں کر گئی
میرے دل کے گوشے گوشے کو درخشاں کر گئی

مدحِ عثماںؓ ذہن کو صحنِ گلستاں کر گئی
کائناتِ فکر کو جنت بداماں کر گئی

کام یہ بھی جوششِ شوقِ فراواں کر گئی
میرے نقدِ جان و دل کو نذرِ عثماںؓ کر گئی

یادِ عثماںؓ قلب کو سروِ چراغاں کر گئی
سینۂ سوزاں کو غرقِ نورِ عرفاں کر گئی

اللہ اللہ وقتِ آخر بھی شہادت آپ کی
سرخیِ خوں سے بیاں تقدیسِ قرآں کر گئی

بیرِ رومہ، جیشِ عُسرت، بیعتِ رضواں کے ساتھ
سرفروشی بھی دوبالا شانِ عثمانؓ کر گئی

حِلم کا دامن نہ چھوڑا باوجودِ اقتدار
یہ ادا چشمِ مؤرخ کو بھی حیراں کر گئی

عقد میں عثمانؓ کے آقا کی ہیں دو بیٹیاں
یہ فضیلت غیر کو آتش بداماں کر گئی

اے فریدی ماہِ قرباں میں شہادت آپ کی
اور اونچی عظمتِ شانِ شہیداں کر گئی

❀

میں کہاں اور کہاں مدحتِ عثمانِ غنیؓ
ہے تصوّر سے سِوا رفعتِ عثمانِ غنیؓ

جس کے آگے نہیں کچھ رفعتِ ماہ و انجم
ہے وہ اللہ غنی، رفعتِ عثمانِ غنیؓ

مُصحفِ پاک بھی ہے جن کی شہادت کا گواہ
ہیں وہ رئیسُ الشہدا حضرتِ عثمانِ غنیؓ

چشمِ اعدا بھی جسے دیکھ کے خیرہ ہو جائے
نور در نور ہے وہ سیرتِ عثمانِ غنیؓ

میرے محسن، مرے ہادی، مرے آقا کے حبیب
منبعِ حلم و حیا حضرتِ عثمانِ غنیؓ

سر دیا طرزِ خلافت کو بدلنے نہ دیا
حبذا از پئے دیں جراُتِ عثمانِ غنیؓ

میری گردن جھکی جاتی ہے فریدی ازخود
اے زہے شخصیت و عظمتِ عثمانِ غنیؓ

❁

غنیؓ کو اصل میں سرتاجِ ہر غوث و ولی کہیے
غنیؓ کے عشق کو سرمایۂ عشقِ نبیؐ کہیے

جسے عثماںؓ سے اُلفت ہے اُسے قطب و ولی کہیے
صحابہؓ کا محبّ، وارفتۂ حُبِّ نبیؐ کہیے

فرازِ خُلد سے روحِ غنیؓ آواز دیتی ہے
جو موت آئے رہِ حق میں تو اُس کو زندگی کہیے

بہت واضح تفاوت ہے تولّا اور تبرّا میں
اِسے سنجیدگی کہیے، اُسے بیہودگی کہیے

ہے قرآں اک گواہِ مستقل اُن کی شہادت کا
اِسے تقدیسِ عثماںؓ کا ثبوتِ دائمی کہیے

طوافِ کعبہ بھی بے مصطفےٰؐ اُن کو نہیں بھایا
اِسے کہنا ہے تو معراجِ شانِ عاشقی کہیے

جو مومن دشمنِ عثماںؓ سے گہری دوستی رکھے
اُسے بے غیرتی کہیے بلاشک بے حسی کہیے

شہیدِ راہِ حق عثمانؓ سے جس کو عداوت ہے
دَنی الاصل کہیے اُس کو، یا مردِ غوی کہیے

معاذاللہ وہ ابنِ سبا کی فتنہ سامانی
بنائے دین و ملّت میں اِسے رخنہ گری کہیے

تعالیٰ اللہ کہیے دیکھ کر شانِ صحابہؓ کو
غنیؓ کے کارنامے سن کے اللہ غنی کہیے

صحابہؓ کی محبّت اور عظمت عینِ ایماں ہے
ملی جس کو یہ دولت اُس کو قسمت کا دھنی کہیے

فریدؔی میں بھی اک ادنیٰ گدائے کوئے عثماںؓ ہوں
غنائے دل ملی مجھ کو، اِسے فیضِ غنیؓ کہیے

❀

زہد و تقویٰ طرّۂ دستارِ عثمانِ غنیؓ
دائمی لطف و عطا کردارِ عثمانِ غنیؓ

گھیر رکھا ہے عدو نے دارِ عثمانِ غنیؓ
ایسی حالت میں "تلاوت" کارِ عثمانِ غنیؓ

ہے خدا کا دوست، جو ہے یارِ عثمانِ غنیؓ
یاد کرلیں یہ سبق اغیارِ عثمانِ غنیؓ

شہرۂ آفاق ہیں آثارِ عثمانِ غنیؓ
اللہ اللہ رفعتِ اقدارِ عثمانِ غنیؓ

بیرِ رومہ، جیشِ عسرۃ، بیعتِ رضواں سے پوچھ
کس قدر ذی شان ہے معیارِ عثمانِ غنیؓ

غنچۂ دل ہو شگفتہ، بختِ خفتہ جاگ اُٹھے
خواب میں ہو جائے گر دیدارِ عثمانِ غنیؓ

اُن کی میدانِ عمل میں سرعت و ہمت نہ پوچھ
برق کی رفتار تھی رفتارِ عثمانِ غنیؓ

مرقدِ عثمانؓ بقیعِ پاک کی جنّت میں ہے
جنّتی ہے وہ بھی جو ہے جارِ عثمانِ غنیؓ

دوستی ہو، دشمنی ہو، صلح ہو یا جنگ ہو
ہے خدا کے واسطے ہر کارِ عثمانِ غنیؓ

آج بھی درکار ہے حسنِ سیاست آپ کا
آج بھی ہیں رہنما افکارِ عثمانِ غنیؓ

جان دی لیکن نہ چھوڑا دامنِ حکمِ نبیؐ
مرحبا یہ جذبۂ بیدارِ عثمانِ غنیؓ

عقد میں دو بیٹیاں آئیں رسولِ پاکؐ کی
جاذبِ دو نور ہیں انوارِ عثمانِ غنیؓ

تازہ تر ہے گلستانِ اہلِ سنت ہر زماں
ہے یہ فیضِ ابرِ گوہر بارِ عثمانِ غنیؓ

یہ دعا ہے اے فریدیؔ حق تعالیٰ سے مری
پھولتا پھلتا رہے گلزارِ عثمانِ غنیؓ

مناقب

امیرالمومنین حضرت علی ابن ابی طالب کرّم اللہ وجہہٗ

❀

علیؓ شیرِ خدا ہیں فاتحِ میدانِ خیبر ہیں
علیؓ شاہِ ہدیٰ ہیں زینتِ محراب و منبر ہیں

نبیؐ کے ابنِ عم اور اُن کے دامادِ مُطہّرؓ ہیں
ہیں شوہر فاطمہؓ کے والدِ شبّیرؓ و شبّرؓ ہیں

علیؓ روحانیت کے بادشاہِ عالی گوہر ہیں
فلک اُن کا سلامی ہے بظاہر بوریے پر ہیں

علیؓ کے قلبِ پُر انوار سے یکسر منوّر ہیں
یہ سارے اولیاء جو ملّتِ بیضا کے رہبر ہیں

علیؓ کا مرتبہ اللہ اکبر کتنا اونچا ہے
کہ جس کو دیکھ کر جنّ و ملک حیران و ششدر ہیں

پس از شیخینؓ بعدِ حضرت عثمانؓ اے ہمدم
علیؓ باقی سبھی اصحابِ پیغمبرؐ سے بڑھ کر ہیں

فریدیؔ میں بھی اک ادنیٰ غلامِ شاہِ خیبرؓ ہوں
وہ میرے مرشد و ہادی مرے آقا و رہبر ہیں

ابوبکرؓ و عمرؓ تھے جانِ علیؓ
اور عثمانؓ ہم زبانِ علیؓ

بڑا پُر کیف ہے بیانِ علیؓ
ہمّت افزا ہے داستانِ علیؓ

لحمُکَ لحمِي ہے حدیثِ رسولؐ
ظاہر ہوتی ہے اِس سے شانِ علیؓ

دونوں تھے ایک جان دو قالب
جانِ شاہِ عربؐ تھی جانِ علیؓ

منبعِ نورِ حق ہے نُور اُن کا
مظہرِ شانِ حق ہے شانِ علیؓ

ہو زباں سے نبیؐ کی وصف اُن کا
نعت کو چاہیے زبانِ علیؓ

دیکھ تو جا کے عندلیبِ چمن
رونقِ صحنِ بوستانِ علیؓ

کتنا دلکش ہے دیکھ اے ہمدم
گُلِ خوش رنگِ گلستانِ علیؓ

ہو عدو کے لیے وہ تیرِ قضا
نکلے جو تیر از کمانِ علیؓ

قیصر و جمؔ ہیں جس کے زلّہ رُبا
مصدرِ فیض ہے وہ خوانِ علیؓ

اے فرزندی مری طبیعت ہے

بلبلِ صحنِ بوستانِ علیؑ

یہ منقبت ۱۶ دسمبر ۱۹۲۹ء کو حضرت شاہ ضیف اللہ رح کی خانقاہ واقع محلہ کٹکوئی امروہہ کے ایک مشاعرے میں پڑھی گئی۔

علیؓ کی اک نرالی شان ہے اصحابِؓ حضرتؐ میں
سیادت میں، نجابت میں، سیاست میں، عدالت میں

یہ اعزازِ علیؓ کیا کم ہے درگاہِ نبوت میں
کہ دامادی ہوئی ہے منسلک سلکِ قرابت میں

علیؓ کا نام مثلِ نامِ حق ہے شکل و صورت میں
نُصیری کو یہی دھوکا لگا شاید محبّت میں

تصادم ہو رہا ہے بُغض و اِفراطِ محبّت میں
رفیع القدر ہیں حیدرؓ نگاہِ اہلِ سنّت میں

علیؓ عقدہ کشائے رازِ توحیدِ صفاتی ہیں
اُنھیں مشکل کشا کہنا ہے کم فہمی حقیقت میں

علیؓ بحرِ ولایت ہیں، علیؓ کانِ طریقت ہیں
علیؓ ہیں کامل و اکمل شریعت میں، طریقت میں

علیؓ از روے رزم و بزم اک فردِ نمایاں ہیں
شجاعت میں، جلالت میں، فصاحت میں، بلاغت میں

وہ بیعت تھے رسولِ پاکؐ و اصحابِ ثلاثہؓ سے
اِسی باعث تو ہے اک جگمگاہٹ اُن کی سیرت میں

فریدیؔ چار یارِ مصطفےٰؐ ارکانِ ملّت ہیں
اِنھی چاروں سے آئینِ و نقشِ بزمِ خلافت میں

غزلیں

(ابتدائی دور کا کلام)

عدم سے میری ہستی کو کیا اک دم عیاں تو نے
یہاں پر کچھ دنوں رکھ کر کیا اُس کو نہاں تو نے

کسی کو دار دلوائی کسی کی کھال کھنچوائی
لیے ہیں عاشقوں سے کیسے کیسے امتحاں تو نے

دلِ عاشق میں پیدا کر دیا سوزِ نہاں تو نے
جگر میں چٹکیاں لے کر سکھائی ہے فغاں تو نے

تعجّب ہے کہ ہر ایک شے سے تیرا نور ظاہر ہے
پتا لیکن نہ طالب کو دیا اے جانِ جاں تو نے

جو دنیا مٹنے والی ہے تو پھر اے بوالہوس ناداں
مسافر ہو کے ڈیرا کیوں جمایا ہے یہاں تو نے

عبث ہے مال و دولت پر غرور اے منعم ناداں
زمانہ کی نہیں دیکھی ہیں کیا نیرنگیاں تو نے

چمن میں بلبلیں کہتی ہیں یوں صیّاد سے رو کر
کیا تاراج ظالم کس خطا پر آشیاں تو نے

غزل امدادؔ کی سن کر یہ کہتے ہیں سبھی شاعر
جدا سب سے رکھا ہے اپنا کچھ طرزِ بیاں تو نے

یہ غزل ۱۹۲۶ء میں لکھی گئی جب مولانا فریدیؒ کی عمر ۱۵ سال تھی، اُس وقت امدادؔ تخلص کرتے تھے۔

❀

یادِ جاناں کے سوا عیش سے کچھ کام نہیں
عاشقِ زار ہوں میں طالبِ آرام نہیں

میں جو ہوں خستہ جگر، حال پریشاں ناشاد
اور کیا ہے یہ اگر گردشِ ایام نہیں

عشق ہے موجبِ رسوائی، یہ سچ ہے اے دل
کون ہے ایسا کہ جو عشق میں بدنام نہیں

اُس ستمگر سے کوئی جا کے یہ کہدے اتنا
اے مسیحا ترے بیمار کو آرام نہیں

رہتا ہے مصحفِ رخسار مرے پیشِ نظر
کون کہتا ہے کہ میں قائلِ اسلام نہیں

جام پر جام رقیبوں کو عطا ہوتے ہیں
اُن کی محفل میں مرے نام کا اک جام نہیں

میری امداد پہ ہیں شافعِ محشر امداد
پُرسشِ حشر سے واللہ مجھے کام نہیں

تمھیں منظورِ لَولاکَ لمَا ہو
تمھیں محبوبِ حق یا مصطفےٰؐ ہو

بھلا ایسے حسیں کی کیا ثنا ہو
کہ جس کا شیفتہ خود کبریا ہو

کروں میں اور کس سے عرضِ حاجت
دو عالم کے تمھیں مشکل کشا ہو

مری کشتی بھنور میں پھنس گئی ہے
کنارے پر لگا دو، ناخدا ہو

جسے یاں عشقِ صادق ہو تمھارا
تو اُس کا دل مثالِ آئینہ ہو

لکھی تعریف جب قرآں میں حق نے
بشرِ ناچیز سے کیوں کر ثنا ہو

بتاؤں کیا میں اُس کی شان و شوکت
درِ احمدؐ کا جو ادنیٰ گدا ہو

اُسے پھر آتشِ دوزخ سے کیا غم
کہ جس کو عشقِ محبوبِ خدا ہو

جہاں پر ہے شہِ والا کا روضہ
میسّر وہ مقامِ پُر فضا ہو

مدینہ میں رہے جا کر یہ بلبل
مدینے کے چمن میں گھونسلا ہو

تمہارا مرتبہ ہے سب سے افضل
تمھیں مصداقِ ختم الانبیاء ہو

مرے ہیں پیشوا حامی محمدؐ
مجھے روزِ جزا کا خوف کیا ہو

خدایا کون سا دن وہ بھی ہوگا
کھڑا چوکھٹ کو پکڑے یہ گدا ہو

مرا پیغام پہنچا دے نبیؐ تک
مری پیغام بر تو اے صبا ہو

ثنا کیا ہو سکے امداد اس کی
کہ خود مدّاح جس کا کبریا ہو

یہ ۱۹۲۶ء کا ابتدائی کلام ہے۔

اُس رشکِ ماہ سے یہ کہے چارہ گر کبھی
یوں ہجر میں تمھارے نہ ہوگی بسر کبھی

اک دن ضرور مجھ سے ملوگے اُمید ہے
جاتا نہیں ہے نالۂ دل بے اثر کبھی

دنیائے دُوں ہے سخت دغاباز، بے وفا
آرام سے ہوئی نہ کسی کی بسر کبھی

کس طرح نامہ بھیجیے اُس رشکِ ماہ کو
چِٹّھی رساں تو آتا نہیں ہے اِدھر کبھی

آثارِ صبح آج نمودار کیوں نہیں
ہوگی شبِ فراق کی یارب سحر کبھی

رسوا ہوئے، خراب ہوئے، عشقِ یار میں
یارب اسیر بھی نہ ہو اُس کا بشر کبھی

امداد مثل سلئے کے میں خاکسار ہوں
پہنچا سکے گا مجھ کو نہ دشمن ضرر کبھی

مری آنکھ ہے آئینہ خانہ کس کا
یہ دنیائے دل میں ہے کاشانہ کس کا ؟

یہ متوالے کس کے ہیں میخانہ کس کا
یہ ساغر ہے کس کا یہ پیمانہ کس کا ؟

یہ ہے شمع کس کی یہ پروانہ کس کا ؟
یہ محفل ہے کس کی یہ کاشانہ کس کا ؟

یہ ہے گوشِ گل وقفِ افسانہ کس کا
یہ نرگس میں ہے رنگِ مستانہ کس کا ؟

ہیں بیہوش و بیخود جو میخانے والے
یہ گردش میں ہے آج پیمانہ کس کا؟

یہ لعلِ بدخشاں میں ہے اب کس کی
حریمِ صدف میں ہے دُردانہ کس کا؟

جلا کر اب اے شمع کیوں رو رہی ہے
یہ پہلے نہ سوچا ہے پروانہ کس کا؟

جو وہ دل میں ہو جائیں گے جلوہ فرما
تو آباد ہوگا یہ کاشانہ کس کا؟

ذرا بھی تو پروا نہ کی شمع رُو نے
کہ فرقت میں جلتا ہے پروانہ کس کا؟

فریدی ہوا کیف اندوز اُس دم
جو پوچھا انھوں نے: "ہے دیوانہ کس کا؟"

یہ غزل ۱۵؍مارچ ۱۹۳۰ء کو لکھی گئی۔ ابتدائی مشقِ سخن کا نمونہ ہے۔

تھوڑا ہے کیا کرم یہ نسیمِ بہار کا
گُل کر دیا چراغ ہمارے مزار کا

ممنون ہوں لحد میں دلِ داغدار کا
یہ کام دے رہا ہے چراغِ مزار کا

اللہ رے شباب کسی گل عذار کا
آیا ہوا ہے جوش پہ موسم بہار کا

لائے جو نابِ بادۂ میخانۂ نگاہ
یہ منھ کہاں بڑے سے بڑے میگسار کا

رکھتا ہے جذب سینے میں تصویرِ یار کو
آنسو ہر ایک گریۂ بے اختیار کا

دیکھی جو تیری آنکھ میں مستی شراب کی
چکرا گیا دماغ ہر اک میگسار کا

طاری تھی بیخودی کہ نظر آیا حسنِ یار
سنبھلے نہ تھے کہ آگیا موسم بہار کا

وہ پڑھ کے رو دیے کسی حسرت نواز کی
روداد جاں گدازہ ہے کتبہ مزار کا

کیونکر کروں نہ جذبۂ اُلفت کی قدر میں
نعم البدل ہے زندگیِ مستعار کا

کثرت سے انتظار کی یہ فائدہ ہوا
دیکھا جدھر کو جلوہ نظر آیا یار کا

مظلومیت کو اُلٹا پشیمان کر دیا
کیا خوب طرز ہے نگہہِ شرمسار کا

پاتا ہوں آج بام و درِ دل جو دیدہ زیب
فیضِ جمال ہے کسی رنگیں عذار کا

بخشا گناہ گار فریدی کو بے حساب
احسان ہے یہ مالکِ روزِ شمار کا

❁

اے دل کدھر چلیں درِ پیرِ مغاں سے ہم
وابستہ ہو چکے ہیں اِسی آستاں سے ہم

پائیں گے مثلِ سروِ چمن سرفرازیاں
آزاد ہو گئے جو بہار و خزاں سے ہم

ہو جائے اپنا شیوہ میانہ رَوی اگر
پامال ہو سکیں گے نہ جَورِ جہاں سے ہم

اکثر ہماری یاد میں تڑپی ہیں بجلیاں
کُنجِ قفس میں آ گئے جب آشیاں سے ہم

بُلبل کو گُل سے اُنس فزیدی ہے جس طرح
اُلفت اسی طرح رکھیں ہندوستاں سے ہم

شانِ خلّاقی عیاں انسان کے پیکر میں ہے
ایک عالم کی نمود اِس عالمِ اکبر میں ہے

گردشِ افلاک تو کل تک سنا کرتے تھے ہم
آج سنتے ہیں زمیں بھی رات دن چکّر میں ہے

شانِ خالق دیکھیے اصنام کے ماحول میں
جذبۂ توحیدِ حق، پروردۂ آزر میں ہے

سرفروشی ملّتِ بیضا کو دیتی ہے فروغ
فتحِ مکّہ مشکلاتِ خندق و خیبر میں ہے

کربلا میں جان کو اسلام پر صدقے کیا
رازِ آزادی اُصولِ سبطِ پیغمبرؐ میں ہے

غور کر مسلم ذرا قرآن کے اعجاز پر
بحرِ بے پایانِ عرفاں بند اک ساغر میں ہے

ہوش میں آیا زمانہ جاگ اُٹھا اک جہاں
لیکن اے مُسلم خمارِ خواب تیرے سر میں ہے

زلزلہ بھی آ کے پیغامِ قیامت دے گیا
تو ہنوز اے بے خبر مشغولِ فسق و شر میں ہے

شاعری ہو ملک و ملّت کی قیادت کے لیے
اے فریدیؔ کیوں گُل و بُلبل کا سودا سر میں ہے

یہ غزل رسالہ 'قائد' امروہہ کے شمارہ جمادی الاول ۱۳۵۳ھ / ستمبر ۱۹۳۴ء میں شائع ہوئی۔
حضرت فریدیؔ اس رسالے کے مدیر معاون تھے۔

مصرعۂ طرح : نہ سُن مجھے کہ بہت دُور کی صدا ہوں میں

ترے جمالِ دل آرا کا آئینہ ہوں میں
تو دیکھتا ہے مجھے تجھ کو دیکھتا ہوں میں

ہمیشہ سازِ محبّت کو چھیڑتا ہوں میں
کسی حسین کی شوخی بھری ادا ہوں میں

عدم کی منزلیں طے کرتا آ رہا ہوں میں
"نہ سُن مجھے کہ بہت دُور کی صدا ہوں میں"

مرا ترنّم پُر کیف ہے نشاط افزا
ربابِ عشق کے پردے میں نغمہ زا ہوں میں

شمیم و نکہت و شبنم ہوں غنچہ و گل ہوں
نسیمِ باغ ہوں میں جنبشِ صبا ہوں میں

مجھے نکال ستمگر نہ اپنی محفل سے
کھڑے کھڑے تری محفل میں آگیا ہوں میں

یہ مانا کھویا گیا ہوں تری محبّت میں
ترے مزاج کے انداز پا گیا ہوں میں

یہ دُھن لگی ہے کہ پھر آشیاں کروں تعمیر
برائے برق عبث تنکے چُن رہا ہوں میں

چمن میں بلبلیں گاتی ہیں میرے ہی نغمے
فریدی کہتے ہیں جس کو وہ خوش نوا ہوں میں

یہ غزل ۳۰ نومبر ۱۹۳۰ء کو لکھی گئی جو ۱۱ اشعار پر مشتمل تھی۔ پھر ۲۵ صفر المظفر ۱۳۵۶ھ / ۷ مئی ۱۹۳۷ء جمعہ کو دار العلوم دیوبند کے زمانۂ قیام و تعلیم میں اس پر نظر ثانی کی گئی۔

❁

بر مصرعِ طرح   نہ میں مکاں کے لیے ہوں نہ لامکاں کے لیے

عبث لگائی ہیں پابندیاں زباں کے لیے
خموشی ایک ہی عنواں ہے داستاں کے لیے

ازل میں جب ہوئی تجویز خلقِ جاں کے لیے
بنایا عشق کو بنیاد اس مکاں کے لیے

یہ کیا ہوا کہ مرا دل بھی جھک گیا اُس پر
جبیں تو تھی ہی ترے سنگِ آستاں کے لیے

جو سرخیِ دلِ خوں گشتہ کو عیاں کر دے
میں ڈھونڈتا ہوں وہ عنوان داستاں کے لیے

فروغِ دل کا ہیں سرمایہ داغہائے دل
ستارے ہیں یہی موزوں اِس آسماں کے لیے

نتیجہ کچھ بھی ہو اس کی تو کچھ نہیں پروا
نیاز مند ہے تیّار امتحاں کے لیے

ورودِ برق ہی زینت ہے چار تنکوں کی
یہ خاص چیز ہے تشکیلِ آشیاں کے لیے

یہ مہر و ماہ یہ انجم یہ برق یہ جگنو
تڑپ رہے ہیں کسی حسنِ دلستاں کے لیے

ہمارا کام جہاں تک تھا کر لیا ہم نے
دعائیں مانگ لے اب خود اثر فغاں کے لیے

ترا جمالِ دل افروز و جلوۂ رنگیں
کفیل بن ہی گیا عمرِ جاوداں کے لیے

ہے سوزِ عشق علامت حیات کی ہمدم
ضروری چیز ہے یہ ربطِ جسم وجاں کے لیے

فریدی وجدی و شوقی کا ساتھ ہے جب تک
نہیں ہے فکر کسی اور ہم زباں کے لیے

یہ غزل دارالعلوم دیوبند کے زمانۂ قیام میں لکھی اور پڑھی گئی۔

جراحاتِ قلب و جگر دیکھتا ہوں
یہ نخلِ وفا کے ثمر دیکھتا ہوں

خدا جانے کیا کھو دیا جس کو پیہم
اِدھر دیکھتا ہوں، اُدھر دیکھتا ہوں

ترے حسنِ سادہ کے پُرکیف جلوے
بچشمِ حقیقت نگر دیکھتا ہوں

تلاشِ مسلسل کا تھوڑا کرم ہے؟
تجھے دیکھتا ہوں جدھر دیکھتا ہوں

رُخِ خوب و زلفِ معنبر سے حاصل
نگاہِ محبّت اثر دیکھتا ہوں

ذرا میرے قلب و جگر کو تو دیکھو
کہ قاتل کا تیرِ نظر دیکھتا ہوں

تغافل میں تم یوں ہی سرشار رہنا
میں آہِ سحر کا اثر دیکھتا ہوں

فریدؔی تجھے یہ ہوا کیا ہے آخر
کہ افسردہ آٹھوں پہر دیکھتا ہوں

یہ غزل ۲۵ رجب المرجب ۱۳۵۶ھ یکم اکتوبر ۱۹۳۷ء بروز ہفتہ بزمانۂ قیام و تعلیم دارالعلوم دیوبند لکھی گئی۔

کر کے او چھا وار رہنے دے ذرا بسمل مجھے
تیرے قرباں آ رہا ہے لطف اے قاتل مجھے

زندگی سے جُز پریشانی نہیں حاصل مجھے
موت ہی بخشے تو بخشے کچھ سکونِ دل مجھے

مجھ کو شوقِ قتل اور اُن کی نظر انجام پر
دیکھتا ہوں دیر سے قاتل کو میں قاتل مجھے

یہ تری جادو بھری آنکھوں کا دھوکا تو نہیں
آج کیوں ہوتا نہیں احساسِ دردِ دل مجھے

اور وسعت چاہتی ہیں عشق کی خود داریاں
اے مرے معبود کر دے تو سراپا دل مجھے

جس نے بخشی ہے تجھے یہ جگمگاہٹ حُسن کی
اس نے ہی بخشا ہے اک جذباتؔ والا دل مجھے

میں نے پہچانا نہیں وارفتگیِ شوق میں
راہِ الفت میں ملا ہے خضر ہر منزل مجھے

ڈوبنے کو ہوں مگر دیکھو یہ اعجازِ اُمید
تہہ میں طوفاں کے نظر آتا ہے اک ساحل مجھے

اے فریدؔی چاہیے اُن کے تصوّر کا کرم
حُسن سے معمور کرنی ہے حریمِ دل مجھے

یہ غزل ۱۳ صفر المظفر ۱۳۵۷ھ/۱۹۳۸ء یوم جمعہ رسالہ مدرس امروہہ کے لیے لکھی گئی۔ حضرت
بیؒ اس رسالے کے معاون مدیر تھے اور اس کے سرورق پر آپ کا یہ شعر ہوتا تھا ؎

مدرس در حقیقت باغبانِ باغِ فطرت ہے   مکینِ قصرِ دانش صاحبِ بزمِ ہدایت ہے

❀

بر طرح : مری آنکھوں سے جاری خون ہے ہر لحظہ حسرت کا

خیال اُس سنگدل کو جب بھی آتا ہے زیارت کا
تو خوش ہو کر اچھل پڑتا ہے پتھر میری تربت کا

کسی نے کر دیا اتنا مجھے خوگر مصیبت کا
کہ آسانی سے سہہ لیتا ہوں صدمہ اس کی فرقت کا

وہ عاشق کیا، خیال آئے جسے اپنی مذلّت کا
وہ سودائی نہیں ہے، خوف ہو جس کو ملامت کا

کوئی مرکز ہی قائم ہو نہیں سکتا طبیعت کا
معاذ اللہ، احاطہ بڑھ گیا ہے اپنی وحشت کا

مری ناکامیِ تقدیر کو مت پوچھ اے ہمدم
مری آنکھوں سے جاری خون ہے ہر لحظہ حسرت کا

نہیں رکھتے قدم وہ فرشِ راہِ چشمِ عاشق پر
ٹھکانا ہے کوئی اے ہم نشیں اُن کی نزاکت کا

بہرحال اُن کی نسبت کا شرف حاصل تو ہے مجھ کو
میں راضی ہوں خدا نے غم دیا ہے اُن کی فرقت کا

مٹا کر اپنی ہستی زندۂ جاوید ہوتے ہیں
زمانے سے جدا ہے ڈھنگ اربابِ حقیقت کا

چراغِ داغِ دل جلتے ہیں جس پر آج تک اے دل
بہت ممکن ہے ہوگا طاق وہ عاشق کی تربت کا

وہ بدظن ہوتا ہے اظہارِ الفت جس سے کرتا ہوں
خدا معلوم کیوں بدنام ہے یہ نام الفت کا

تعجب کیا جو اے امداد مضموں میرے رنگیں ہوں
گلِ تر بھی ہے خوشہ چیں مری رنگیں طبیعت کا

اس غزل پر حضرت فریدی نے یہ نوٹ لکھا ہے :
"یہ غزل ۱۱ راگست ۱۹۲۸ء کی لکھی ہوئی ہے۔ اس وقت تک احقر کا تخلص امداد تھا
پر منشی عزیز احمد صاحب عزیزؔ کی اصلاح ہو رہی ہے۔"

گروہ ادائے خاص سے مجھ پر نظر کریں
دنیائے جذب و کیف کو زیر و زبر کریں

ہنگامِ نزع حسرتیں کہتی ہیں بار بار
ہم کو ضرور آپ شریکِ سفر کریں

افسانۂ حیات کا اعجاز دیکھیے
بڑھتا ہے لطف جتنا اُسے مختصر کریں

شاید شبِ فراق سے پہلے ہوں ختم ہم
اُمیّدِ زیست ہو تو اُمیدِ سحر کریں

وہ پیکرِ جمال مرقّع ہے حُسن کا
ہاں اہلِ عقل شوق سے نقد و نظر کریں

اپنا تو دل ہے جور پذیر و جفا طلب
اُن کو قسم خدا کی اگر کچھ کسر کریں

نالے اثر کریں نہ کریں اِس سے کیا غرض
اپنا جو کام ہے اُسے آٹھوں پہر کریں

نام و نمود کے لیے سارے فریب ہیں
اہلِ ہوس اور آرزوے قطعِ سر کریں!

بیٹھے ہوئے قفس میں بہارِ چمن سے دُور
کب تک ہم انتظارِ نسیمِ سحر کریں

پیمانۂ وفا بھی چھلکتا ہے ظلم سے ؟
مجھ کو قیاس آپ نہ اغیار پر کریں

اکرامِ میہماں بھی فریدی ضرور ہے
کچھ پارہ ہائے قلب ہی پیشِ جگر کریں

ہر ذرہ اے فریدی نظر آئے آفتاب
گر غور ہم بچشمِ حقیقت نگر کریں

یہ غزل حضرت جگر مراد آبادی کی موجودگی میں امروہہ کے ایک مشاعرے میں پڑھی گئی تھی۔ اس کے نو[۹]
منتخب اشعار رسالہ 'فانوس'، مدراس شمارہ فروری ۱۹۳۹ء میں بعنوان 'امواجِ فکر' چھپ چکے ہیں۔

❁

شبِ زلف کی ہے نہ جستجو نہ رُخِ سحر کی تلاش ہے
جو سراپا جلوۂ طور ہو مجھے اُس نظر کی تلاش ہے

جہاں سجدے تڑپے ہیں بارہا جہاں بوسے رقص میں آگئے ہیں
اُسی آستاں کی ہے جستجو اُسی سنگِ در کی تلاش ہے

مرے بال و پر کو نصیب تھا جو قفس عروجِ بہار میں
تو خزاں کے دور میں کیوں بھلا مجھے بال و پر کی تلاش ہے

یہ عنایتیں یہ نوازشیں ہیں تصنّع آشنا سر بسر
جو پڑی تھی پہلے پہل کبھی مجھے اس نظر کی تلاش ہے

۳۰۷

کھُلیں دورِ نو میں حقیقتیں سبھی اے فریدیِ خوش نوا
مرے سادہ لوحِ ادیب کو ابھی تک کمر کی تلاش ہے

❁

بر طرح : آنکھیں مجھے ملنے نہیں دیتے کفِ پا سے

گھبرائیں گے عاشق نہ ترے ظلم و جفا سے
کھائی ہے قسم تو نے اگر مہر و وفا سے

واللہ نزاکت کی بھی حد ہو گئی اُن پر
آنکھیں مجھے ملنے نہیں دیتے کفِ پا سے

جی جاتے ہیں عُشّاق ترے جنبشِ لب سے
ترجیح لبوں کو ہے ترے، آبِ بقا سے

ڈر ہے کہ نہ دُکھ جائے تمھارا دلِ نازک
گردوں کو ہلا سکتا ہوں میں آہِ رسا سے

بیمارِ محبّت کی عبث چارہ گری ہے
صحّت اسے ہو گی نہ دعا سے نہ دوا سے

وہ گھر مرے کیوں آئیں غرض ہی اُنھیں کیا ہے
مرجائے اگر عاشقِ ناشاد، بلا سے

دل دے کے نہ یوں مفت پریشان ہو شوق
اللہ نہ اُلفت ہو کسی ماہ لِقا سے

دن رات یہ امداد کی خالق سے دُعا ہے
اللہ ملائے مجھے اُس ماہ لِقا سے

❁

برطرح : ذرّہ ذرّہ ترے جلوے کا تماشائی ہے

گل ترے پھول سے رخسار کا شیدائی ہے
نرگسی چشم کی نرگس بھی تماشائی ہے

کونسی شے ہے نہیں جس میں تجلّی تیری
ذرّہ ذرّہ ترے جلوے کا تماشائی ہے

پیچ میں پڑ گیا اُس دن سے میں اے رشکِ پری
زلفِ پرپیچ تری جب سے مجھے بھائی ہے

قبرِ عاشق کو مٹا کر وہ ستمگر بولا
یہی کمبخت مری باعثِ رسوائی ہے

کون کہتا ہے شبِ ہجر ہے تنہا عاشق
یاد اُس بُت کی انیسِ شبِ تنہائی ہے

کیوں نہ صدقے کریں عشّاق دل و جاں تجھ پر
تو نے اے ماہ لقا شکل عجب پائی ہے

بے خبر ہم سے ہے وہ رشکِ مسیحا امداد
کوئی پوچھے کہ یہی شانِ مسیحائی ہے؟

❀

برطرح : بہے بحرِ فنا میں جلد یارب لاش بسمل کی

نہ مجنوں ہے نہ لیلیٰ ہے مگر یہ بات ہے دل کی
تلاش اب تک ہے روحِ قیس کو لیلیٰ کے محمل کی

جفا تیری، وفا میری، تجھے نفرت، مجھے اُلفت
خدا کی شان ہے ہوتی ہیں کیا چوٹیں مقابل کی

اناالحق بول کے منصور نے سر دے دیا اپنا
نہ کھلتی سِرّیت عالم پہ ورنہ حق و باطل کی

حسینوں کی بھی صحبت کیا بُری شے ہے معاذاللہ
فرشتوں نے بھی صورت آکے دیکھی چاہِ بابل کی

چھڑایا قیدِ غم سے آن کر اے خنجرِ مژگاں
عدم میں بھی تجھے دے گی دعا اب روحِ بسمل کی

قدم رکھا ہے جب سے وادیٔ الفت میں عاشق نے
نہ کچھ کھٹکا ہے رہزن کا نہ کچھ پروا ہے منزل کی

رقیبِ روسیہ جب تک نہ تھا کیا کیا مزے لوٹے
ہمیں یاد آتی ہے رہ رہ کے صحبت تیری محفل کی

اِدھر فصلِ بہار آئی اُدھر وحشت بڑھی اُن کی
ترے سودائیوں کو پھر ضرورت ہے سلاسل کی

نہ نتلو ناز ہوں کیوں کر بھلا امداد کمتر کو
وہ ہے اولاد میں خواجہ فریدالدینؒ کامل کی

یہ غزل ۱۷ اکتوبر ۱۹۲۶ء کو لکھی گئی۔ ابتدائی "مشق" کا نمونہ ہے۔

٭

برطرح : اب کوئی سماتا ہی نہیں میری نظر میں

اب جان ہے بیمارِ محبت کی خطر میں
رہ رہ کے اُٹھا کرتا ہے اک درد جگر میں

کیا بات ہے شوخی کی ترے تیرِ نظر میں
چٹکی سے نکلتے ہی اُترتا ہے جگر میں

جب سے کسی گُل کا ہوا سودا میرے سر میں
بُلبل کی طرح داغ ہوئے میرے جگر میں

کیا خوب نصیبہ ہے حسینوں کا بھی واللہ
ہر وقت جگہ پاتے ہیں اللہ کے گھر میں

مجھ کو تو حکایاتِ سلیمانؑ میں بھی شک ہے
کیونکر یہ پری زاد تھے قابوے بشر میں

کعبے میں تصور ہے جو بُت خانے کا مجھ کو
بُت ہی نظر آنے لگے اللہ کے گھر میں

جس روز سے دیکھا ہے ترا چہرہ زیبا
'اب کوئی سماتا ہی نہیں میری نظر میں'

جو بات تیرے عارضِ پُر نور میں دیکھی
وہ بات تو دیکھی ہی نہیں شمس و قمر میں

تشبیہ غلط ہے دُرِ دنداں کو گُہر سے
ہے فرق نمایاں ترے دنداں میں گُہر میں

جو لوگ ترے عارض و گیسو کے ہیں شیدا
تمییز ہے دشوار اُنھیں شام و سحر میں

مضموں میں کیا موے کمر باندھیے امدادؔ
مضموں ہی بندھ جائے نہ خود موے کمر میں

یہ غزل ۲۶ر فروری ۱۹۲۰ء کو لکھی گئی۔

❁

کان میں میرے کہہ گیا آکے یہ شوق رازِ عشق
نغمۂ عشق ہے نہاں زیرِ سکوتِ سازِ عشق

دیکھ کے نقشِ پائے یار کرتے ہیں سجدۂ نیاز
حُسن کی بارگاہ میں پڑھتے ہیں ہم نمازِ عشق

تم کو کیا خدا نے گر باعثِ زیبِ بزمِ حسن
شُکرِ خدا کہ میں بھی ہوں زیب دہِ فرازِ عشق

اپنا وفورِ شوق ہی پردہ دری میں طاق ہے
پردہ میں کس طرح چھپے پردہ نشیں کا رازِ عشق

عشق کو ضد ہے دید کی تجھ کو ہے ضد حجاب کی
تیرے اُٹھاؤں ناز میں، یا میں اُٹھاؤں نازِ عشق

حسرتیں مضطرب ہیں کیوں دل سے نکلنے کے لیے
کس لیے برقرار ہے سینہ میں سوز و سازِ عشق

ذرّہ و آفتاب میں قطرہ و بحر میں نسیم
دیکھیے چشمِ غور سے سلسلۂ درازِ عشق

یہ غزل ۱۱، جنوری ۱۹۲۹ء کو لکھی گئی۔ اس میں اپنے نام ہی کو تخلص قرار دیا ہے۔ اس غزل میں یہ

بھی شامل تھا ؎

داغ جبیں پہ پڑ گئے کثرتِ سجدہ کے سبب   ایک زمانہ ہو گیا پڑھتے ہوئے نمازِ عشق

✿

وہ اُن کا چشمِ سخن گو سے گفتگو کرنا
وہ اپنا کوششِ اظہارِ آرزو کرنا

کسی کا نازِ تلوّن پسند اے ہمدم
سکھائے گا ہمیں تغییرِ آرزو کرنا

اسی میں ہے کہیں تریاقِ فرطِ بے تابی
نگاہِ یار کے گوشوں میں جستجو کرنا

بتائے گی تجھے اسرارِ بے خودی ناصح
کبھی نگاہِ سخن گو سے گفتگو کرنا

میں سیرِ چشمیِ ساقی سے خوب واقف ہوں
پسند ہے اُسے میرا سُبو سُبو کرنا

فریدی ہم وطنِ مصحفیؔ کو کب ہے روا
زباں کو قیدیِ دہلی و لکھنؤ کرنا

بطورِ سیرِ دریا کی روانی دیکھتے جاؤ
بالفاظِ دگر جوشِ نہانی دیکھتے جاؤ

کسی مہجور کا سوزِ نہانی دیکھتے جاؤ
سلگ اُٹھی ہے شمعِ زندگانی دیکھتے جاؤ

پسِ مردن کسی کی بے زبانی دیکھتے جاؤ
تاسّف کی نظر سے لاشِ فانی دیکھتے جاؤ

خیالِ عاشقِ ناشاد کیوں اس وقت کرتے ہو
نہ کم ہو جائے خنجر کی روانی دیکھتے جاؤ

صبا رِ یاس و نا اُمیّدی و حرماں کے آنے سے
ہوئی ہے زرد شمعِ زندگانی دیکھتے جاؤ

فریدی نے جو کھینچا ہے غمِ ہجراں سے تنگ آکر
ذرا وہ نقشۂ سوزِ نہانی دیکھتے جاؤ

یہ غزل اختر علی جعفری صاحب کی فرمایش پر ۲۷ر جون ۱۹۲۹ء کو لکھی گئی

❀

دردِ دل، دردِ جگر، سوزِ نہاں رکھتے ہیں
تیرے بیمار یہ دو چار نشاں رکھتے ہیں

قصّہ، درد و الم وردِ زباں رکھتے ہیں
تیرے عُشّاق عجب طرزِ بیاں رکھتے ہیں

عشق اپنا یہ جہانگیر ہے اللہ اللہ
ہر گھڑی پیشِ نظر نورِ جہاں رکھتے ہیں

سازِ توحید سے ہے وجد میں دل کی دنیا
دل بھی رکھتے ہیں تو ہم نغمہ گُناں رکھتے ہیں

آبِ شمشیر میں رکھتے ہیں وہ آبِ حیواں
زندگی موت کے پردے میں نہاں رکھتے ہیں

خون پھوٹا ہے شہیدانِ وفا کا ہمدم
اپنے دامن پہ وہ گل بوٹے کہاں رکھتے ہیں

جب کہا تم ستم و جور روا رکھتے ہو
ہنس کے بولے وہ فریدی سے کہاں رکھتے ہیں؟

یہ غزل ۶ اکتوبر ۱۹۲۹ء کو لکھی گئی۔

تری راہ میں نقشِ پا ہو گئے ہم
تلاش اُنی کی خود فنا ہو گئے ہم

مسِ خام تھے کیمیا ہو گئے ہم
ترے عشق میں کیا سے کیا ہو گئے ہم

رسائی کی ہم نے یہ صورت نکالی
درِ یار پر خاکِ پا ہو گئے ہم

ترے در سے کچھ ہم کو مل جائے شاید
اِسی آرزو میں گدا ہو گئے ہم

جباب اپنی ہستی ہے بحرِ جہاں میں
پھر اس پر اسیرِ ہوا ہو گئے ہم

یہ کس واسطے تھی تری تیغِ ابرو
کہ مرہونِ تیرِ قضا ہو گئے ہم

جو حیراں ہوئے ہم تو پایا یہ رتبہ
کہ اُس شوخ کا آئینہ ہو گئے ہم

ہے ہمراہ انبوہ رنج و الم کا
بذاتِ خود اک قافلہ ہو گئے ہم

فریدی عُلوئے مراتب ہے حاصل
جو خاکِ درِ مصطفےٰ ہو گئے ہم

یہ غزل ۱۱ دسمبر ۱۹۲۹ء بروز چہارشنبہ لکھی گئی۔

❀

برطرح : اگر عقدے کھلیں تسبیح کے زنار ہو جائے

ضیا افگن اگر عکسِ جمالِ یار ہو جائے
جہاں کا ذرّہ ذرّہ مصدرِ انوار ہو جائے

اگر دل جلوہ گاہِ خندۂ دلدار ہو جائے
ہر اک داغِ تمنّا مستقل گلزار ہو جائے

اگر چشمِ ستمگر مائلِ پیکار ہو جائے
بپا دنیائے دل میں فتنۂ تاتار ہو جائے

کسی دن تو خلافِ مرضیِ اغیار ہو جائے
توجّہ جانبِ مہجور بھی سرکار ہو جائے

صدا یہ کشتۂ رفتار کی تربت سے آتی ہے
مری مٹی بھی وقفِ شوخیِ رفتار ہو جائے

کسی مسند نشینِ حُسن کو اِس سے غرض کیا ہے
کوئی رُسوا بہر کوچہ، بہر بازار ہو جائے

دمِ رفتار وہ مستِ مئے خوبی اگر چاہے
تو قصرِ ناز ہر ہر گام پر تیار ہو جائے

بپا کرتا ہوں محشر نالہ ہائے صبحگاہی سے
کہ شاید طالعِ خفتہ مرا بیدار ہو جائے

فریدی از پئے آسایشِ دارین لازم ہے
کہ جامِ حُبّ ِ حق سے آدمی سرشار ہو جائے

یہ غزل ۲۵ ستمبر ۱۹۳۱ء کو لکھی گئی۔

❀

بر طرح : برق بھی گرتی ہے میرا خرمنِ دل دیکھ کر

رہ گیا دل تھام کے جذباتِ بسمل دیکھ کر
ہم نہ کہتے تھے بھلا تجھ سے کہ قاتل دیکھ کر

کر رہا ہوں میں اضافہ نفسِ حُسن و عشق میں
زینتِ گل دیکھ کر شوقِ عنادل دیکھ کر

قتل گہہ میں بسملوں کا رقص ہے زوروں پہ آج
شانِ خنجر دیکھ کر اندازِ قاتل دیکھ کر

عرضِ شکوہ شوق سے کرنا دلِ مضطر مگر
طرزِ مجلس دیکھ کر آدابِ محفل دیکھ کر

وہ مسافر ہوں مرے دل میں اُمنگ آتی نہیں
اپنی منزل دیکھ کر یا اپنا ساحل دیکھ کر

جذبِ کامل کے علاوہ خضر یاں کوئی نہیں
بیشۂ اُلفت کو طے کرنا منازل دیکھ کر

اے فریدیؔ ریختہ ہے فارسی کا خوشہ چیں
طرزِ غالبؔ دیکھ لے اندازِ بیدلؔ دیکھ کر

✿

فغاں میں آہ میں اے دل اگر کمی ہوگی
تو حق میں چرخِ ستمگر کے بہتری ہوگی

نہ دیکھ غور سے گورِ شکستہ کے اندر
کسی شہید کی میّت رکھی ہوئی ہوگی

پڑا ہوا ہوں میں کنجِ قفس میں بے پر و بال
نسیمِ صحنِ گلستاں میں چل رہی ہوگی

فریدؔی تم نے اگر دامنِ عمل چھوڑا
تمام حلقۂ عشاق میں ہنسی ہوگی

❁

بزمِ دلدار میں اے دل ابھی دیکھا کیا ہے
صبر کر صبر ذرا دیکھ کہ ہوتا کیا ہے

مجھ سے مت پوچھ مرے دل کی تمنا کیا ہے[۱]
تو بتا تیری نگاہوں کا تقاضا کیا ہے

یاس و امید یہاں عشرت و آلام یہاں
ایک مجموعۂ اضداد ہے دنیا کیا ہے

قیس کی آنکھ کا پردہ ہے حجابِ اکبر
اور بجز اس کے نقابِ رخِ لیلیٰ کیا ہے

---

[۱] یہ مصرعہ اس طرح بھی ہے : ع مجھ سے مت پوچھ مرادِ دلِ شیدا کیا ہے

تجھ کو اے پردہ نشیں اپنے تغافل کی قسم
مجھ کو یہ بات بتا دے تری منشا کیا ہے

میرا گم گشتہ سکوں مل گیا مجھ کو یاں پر
رشکِ صد قصر ہے یہ قبر کا گوشہ کیا ہے

کثرتِ شوق و تمنّا سے ہے اب یہ عالم
مجھ کو یہ بھی نہیں معلوم تمنّا کیا ہے

مرغِ جاں اپنے نشیمن کے لیے ہے مضطر
قفسِ قالبِ خاکی کا بھروسا کیا ہے

اے فریدی ہے بڑا کام غزل کا لکھنا
یوں تو کہنے کے لیے شعر کا کہنا کیا ہے

اس غزل میں یہ شعر بھی ہے: ؎ ایک پردہ میں خدا ہے یہ ہے ثابت باہم
ورنہ یہ کافر دیندار کا جھگڑا کیا ہے

یہ غزل ۲۸ فروری ۱۹۳۲ء کو لکھی گئی اور یکم مارچ ۱۹۳۲ء کو مشاعرے میں پڑھی گئی۔

❁

طرح : ہاتھ سے تربت بنائی پاؤں سے برباد کی

کھلتی ہیں پژمردہ کلیاں گلشنِ آباد کی
ہے فنا بردوش ہر شے عالمِ ایجاد کی

ایک بھی حسرت نہ بر آئی دلِ ناشاد کی
عمر یوں ہی ہم نے کوئے یار میں برباد کی

حشر میں کرتے ہیں منّت عاشقِ ناشاد کی
کل تو کرتے تھے شکایت شکوۂ بیداد کی

ہو قفس کی زندگی عیشِ نشیمن سے سوا
یاں ہو گر تعمیرِ قصرِ جذبۂ آزاد کی

نامرادِ وصل ہے جو کامیابِ عشق ہے
عمر سب ہجر و مصیبت میں کٹی فرہاد کی

حُسنِ ظاہر سے ہوئی عشقِ حقیقی کی طلب
دل میں عزت بڑھ گئی تصویر سے بہزاد کی

جاں کنی کے وقت جو آتی ہیں ہم ہچکیاں
یہ گواہی دیتی ہیں اہلِ عدم کی یاد کی

عہدِ ماضی کی خدا جانے کہ کیا یاد آ گئی
دیکھ کر وہ رو دیے تربت کسی ناشاد کی

میر انصب العین ہے جوشِ جنوں کی لذتیں
ہے جمود انگیز جو تدبیر ہے حدّاد کی

ذبح بھی کرتا نہیں آزاد بھی کرتا نہیں
کچھ نہیں چلتا اپنا مرضی ہے کیا صیّاد کی

مجھ کو یاں تسکین دی اُس کو اُبھارا جَور پر
یہ کرشمہ سازیاں دیکھو مری فریاد کی

سر بکف آئے تھے مقتل میں ترے عشّاق جب
کون سی ایسی ضرورت تھی بھلا جلّاد کی

خیر مقدم اس طرح ہم نے کیا بیداد کا
آہ کی، نالہ کیا، گریہ کیا، فریاد کی

اے فریدی دیدۂ دل سے صنم خانے[1] کو دیکھ
ہے یہ تصنیفِ گراں مایہ بڑے استاد کی

---

[1] صنم خانۂ عشق، دیوان امیر مینائی رح
یہ غزل ۸ را پریل ۱۹۳۲ء کو لکھی گئی۔

❁

برمصرعہ طرح : آنکھ محوِ دید تھی اتنا مجھے بھی ہوش تھا

یادِ ایّامیکہ وہ رُوپوش ہم آغوش تھا
اور دریاے مسرّت میں بلا کا جوش تھا

اُس کی بزمِ خاص میں جب شغلِ نوشانوش تھا
با اُمیدِ جام میں بھی ساکت و خاموش تھا

عقل آموزِ جہاں تھا میں اگر بیخود بھی تھا
ہوش افزاے زمانہ تھا اگر بیہوش تھا

کثرتِ دیدار سے اک بیخودی طاری ہوئی
"آنکھ محوِ دید تھی اتنا مجھے بھی ہوش تھا"

تھا میں بزمِ کیف میں ہر شے سے بالکل بے خبر
جام و ساغر کے طلب کرنے کا لیکن ہوش تھا

نفسِ حُسن و عشق میں دیکھو یہ ربطِ باہمی
نالۂ بلبل تھا گر، گل بھی ہمہ تن گوش تھا

منحصر اُس کی کریمی زُہد و طاعت پر نہیں
میری بخشش ہوگئی کیا میں اطاعت کوش تھا؟

حضرت ذہین شاہ نے اپنی بیاض میں مذکورہ غزل سے متعلق مندرجہ ذیل یادداشت تحریر فرمائی ہے
"۱۸ اپریل ۱۹۲۲ء بروز دوشنبہ عیدالاضحیٰ کے دوسرے دن بوقت ۴ بجے ایک مجلسِ ادب احقر کے مکان
منعقد ہوئی جس میں حسبِ ذیل دو طرحیں تھیں :

ع آنکھ محوِ دید تھی اتنا مجھے بھی ہوش تھا

ع وہ ادھر ہیں ہاتھ میں خنجر لیے ہوئے

ہیں تصور میں فریدی کے وہ ایامِ بہار
جب کہ کاشانۂ مسلماں کا چمن بردوش تھا

ہ اس مشاعرہ کی صدارت منشی شبّیر خاں صاحب شبیر امروہوی نے کی تھی۔ اس میں شہر کے چیدہ
بیرہ تمام شعرا شریک تھے۔ غزلیں دونوں طرحوں پر بڑی کامیاب نکلیں۔ رسالہ "شاعر" آگرہ کو کلام شعراء کا
خاب بھیج دیا تھا جو شائع ہو گیا تھا۔ ماسٹر عبدالرؤف صاحب رؤفؔ نے اسی مشاعرہ میں یہ منقبت کا
ہترین شعر پڑھا تھا ؎

صدّیقؓ یارِ غار کی قسمت کو دیکھیے — پہلو میں آج تک ہیں پیمبرؐ لیے ہوئے

اس مشاعرہ میں سرخوش رامپوری بھی شریک تھے اور شہر کے معززین میں محمود احمد عباسی صاحب،
ر النظر حکیم سید طفیل حسن رضوی صاحب اور سیّد انیس الدین رضوی صاحب قابلِ ذکر ہیں۔"

طرح : کتنے قطرے خون کے ہیں کتنے ٹکڑے تیر کے

دیکھتا ہوں میں کرشمے گردشِ تقدیر کے
پَر خزاں میں آ رہے ہیں طائرِ تدبیر کے

راز ہائے دلنشیں کی اِس میں ہے پردہ دری
آپ کو کیسے دکھا دوں میں کلیجا چیر کے

بر بنائے تجربہ ہیں قائلِ تقدیر کچھ
کچھ ہیں کم ہمّت جو لرزاں نام سے تدبیر کے

خواب گاہِ عالمِ جاوید میں سارے شہید
آج تک ممنونِ احساں ہیں تری شمشیر کے

صورتِ ظاہر پہ کر ہرگز نہ باطن کا قیاس
دیکھ اے نقّادِ فطرت ہر دو رُخ تصویر کے

سالکِ راہِ تغزّل ہیں یہ دونوں ہستیاں
معتقد ہیں سب فریدیؔ مصحفیؔ و میرؔ کے

یہ غزل ۴ مئی ۱۹۳۲ء کو لکھی گئی۔

❁

موت ہم کو وجہِ راحت ہو گئی
جلوہ گاہِ عیش تُربت ہو گئی

زندگانی وقفِ حسرت ہو گئی
اچھی خاصی یہ مصیبت ہو گئی

چارہ گر یہ مژدہ تو نے بھی سُنا
اُن کے بیماروں کو صحت ہو گئی

وقتِ اظہارِ طبیعت یوں کہا
آپ کی اچھی طبیعت ہو گئی

چاہیے چشمِ کرم اے غیر دوست
اب ہماری غیر حالت ہو گئی

اب تو آجا اے تغافل آشنا
موت بھی بہرِ عیادت ہو گئی

کوچۂ محبوب میں بیٹھے رہے
رشکِ صد قوّت نقاہت ہو گئی

اب بھی جائے گا حریمِ ناز میں
اے دلِ ناداں نصیحت ہو گئی!

گرچہ خوش تقریر ہے میری زباں
وقتِ شکوہ وقفِ لکنت ہو گئی

پوچھنا مجھ غمزدہ سے تھا غضب
آپ کی کب سے یہ حالت ہو گئی

اے فریدی یہ عقیدہ ہے مرا
ختم حضرتؐ پر نبوّت ہو گئی

✿

راہِ وفا میں جان کی پروا نہ کیجیے
تقلیدِ سوزشِ پرِ پروانہ کیجیے

راز و نیازِ عشق کو رُسوا نہ کیجیے
بندہ نواز دیکھیے ایسا نہ کیجیے

دردِ جگر کا آپ مُداوا نہ کیجیے
اچھا نہ کیجیے مجھے اچھا نہ کیجیے

وعدے کو اپنے وعدۂ فردا نہ کیجیے
بہتر تو اس سے یہ ہے کہ وعدہ نہ کیجیے

آنکھوں میں دم ہے اور تمنّائے دید ہے
یہ وقتِ آخری ہے کنارہ نہ کیجیے

پہلو سے اپنے دردِ جگر اُٹھ کھڑا نہ ہو
اُٹھنے کا آپ ابھی سے ارادہ نہ کیجیے

ایسا نہ ہو کہ نیند اُچٹ جائے رات بھر
افسانۂ الم کا اعادہ نہ کیجیے

میں ہوں فریدیؔ ہم وطنِ شیخِ مصحفی
کیوں وصفِ مصحفِ رُخِ زیبا نہ کیجیے

✽

برطرح :   سیاہی جب گھٹی پھیلا دیا دودِ جگر میں نے

قفس میں یوں گذاری ہمنشیں بے بال و پر میں نے
بحسرت اِس طرف دیکھا اُدھر ڈالی نظر میں نے

تہِ شمشیرِ قاتل پیش کر کے اپنا سر میں نے
سبکدوشی تو حاصل کی، نہ پایا کچھ اگر میں نے

تری محفل کا نقشہ اپنے دل پہ کھینچ کر میں نے
مہیّا کر لیا سرمایۂ ذوقِ نظر میں نے

تری تصویر اتنی جذب کر لی ہے نگاہوں میں
نظر کی جس طرف میں نے تجھے پایا اُدھر میں نے

اُمیدِ وصل سے کچھ بھی نہیں حاصل بہت دیکھا
یہ باغِ دل میں بویا ہے نہالِ بے ثمر میں نے

بڑے آرام سے ہوں گوشۂ مدفن میں اے ہمدم
سکونِ قلب سے لبریز پایا ہے یہ گھر میں نے

اس غزل کے چند اور شعر اور مقطع دستیاب نہ ہو سکا۔

❀

العطش کی اُٹھی آواز جو میخانے سے
جھک کے کچھ بات کہی شیشے نے پیمانے سے

شمع نے وقتِ سحر برسرِ محفل یہ کہا
جان پر کھیلنا سیکھے کوئی پروانے سے

دیکھ کر بے سر و ساماں مجھے با فرطِ اَلم
بجلیاں ہو گئیں واپس مرے کاشانے سے

اے فریدی مجھے دعویٰ سخن کب ہے بھلا
شعر کہہ لیتا ہوں احباب کے فرمانے سے

یہ غزل ۱۲ اگست ۱۹۳۱ء کو لکھی گئی۔

اس قدر میں واقفِ گردونِ گرداں ہو گیا
میری نظروں میں گلستاں بھی بیاباں ہو گیا

او نمک پاشِ جراحت کیا نمک پاشی ہے یہ
زخم بے لذّت رہے خالی نمکداں ہو گیا

وہ خیالِ موت جو غافل سمجھتا ہے عبث
میرے حق میں غازۂ رخسارِ ایماں ہو گیا

یاد آیا میکہ تھی وجہ طرب برکھا کی رُت
برق انداز اس برس ابرِ بہاراں ہو گیا

ہو گیا غم رفتہ رفتہ خانۂ دل میں مکیں
میزباں کے گھر پہ ہی قابض یہ مہماں ہو گیا

یہ قیامت خیزیاں دیکھو خرامِ ناز کی
خطۂ گورِ غریباں محشرستاں ہو گیا

حُسن تیرا شاہدِ یکتائیِ معشوق ہے
جس نے دیکھا قائلِ توحیدِ یزداں ہو گیا

ہمتیں بڑھتی گئیں جتنی خلش پیدا ہوئی
راہبر میرے لیے خارِ مغیلاں ہو گیا

موت نے بخشا مجھے ہمدم سکونِ دائمی
زندگی سے یہ ہوا حاصل پریشاں ہو گیا

اے فریدی شاعری بازیچۂ اطفال ہے
کہہ لیے دو شعر جس نے رشکِ سحباں ہو گیا

٭

برطرح — اُلٹ کر ایک فقرے نے ہماری داستاں رکھ دی

بدل کر بے خودی سے خواہشِ حورِ جناں رکھ دی
محبت نے زمینِ دل فرازِ آسماں رکھ دی

جبینِ شوق جب بالائے سنگِ آستاں رکھ دی
جہانِ آرزو میں طرحِ کیفِ جاوداں رکھ دی

وفورِ بیخودی میں یہ نہیں الہام تو کیا ہے
وہیں نقشِ قدم نکلا جبیں ہم نے جہاں رکھ دی

یہ انساں اور ظالم عشق کوئی مصلحت ہوگی
جو مشتِ خاک کی تخمیر میں برقِ تپاں رکھ دی

چھڑا کر گلشنِ جنّت مجھے دنیا میں لا ڈالا
مری مٹی کہاں کی تھی مقدّر نے کہاں رکھ دی

نہ جانے کیا غضب ڈھاتا حیاتِ دائمی پا کر
خدا نے موت بھی اچھّی بشر کے درمیاں رکھ دی

قفس کی زندگی کو اس طرح ہم نے کیا رنگیں
تصوّر کے گلستاں میں بِنائے آشیاں رکھ دی

تمھارے خنجرِ بُرّاں کا صدقہ ہے کہ خالق نے
مقدّر میں شہیدوں کے حیاتِ جاوداں رکھ دی

بھلا میں اِس سے زیادہ اہتمامِ نذر کیا کرتا
بڑی پونجی جو دل کی تھی بطورِ ارمغاں رکھ دی

زبانِ حال سے ٹوٹی ہوئی قبریں یہ کہتی ہیں
ہماری خاک بھی تو نے اُڑا کر آسماں رکھ دی

صباحت خیز رخساروں پہ سرخی یوں جھلکتی ہے
بلوریں جام میں گویا شرابِ ارغواں رکھ دی

خدا کا نام لے کر بجلیوں سے بے خطر ہو کر
گذرگاہِ حوادث پر بنائے آشیاں رکھ دی

فریدی لاکھ دینے کا یہ اک دینا ہے قدرت کا
دہن میں جس کے اک جادو بھری میٹھی زباں رکھ دی

یہ غزل ۹ر دسمبر ۱۹۳۳ء کو لکھی گئی۔

صبا یہ لائی ہے مژدہ مرے پیام کے بعد
کہ اس نے یاد کیا ہے تمھیں سلام کے بعد

نگاہِ خاص سے کرتے ہیں بادہ پیمائی
ہماری توبہ نہ ٹوٹی شکستِ جام کے بعد

یہ رُعبِ حُسن یہ عظمت یہ دبدبہ توبہ
کلام کر نہ سکے ان سے ہم سلام کے بعد

یہ کیا کیا مری دنیا تباہ کر ڈالی
نگاہ پھیر لی ساقی نے دَورِ جام کے بعد

کرن امید کی چمکے گی ظلمتِ غم میں
طلوعِ صبح بھی ہو گا وُرودِ شام کے بعد

جلو میں عظمتیں قدموں پہ سر فگن جائیں
چلے ہیں گھر سے وہ کس حُسنِ اہتمام کے بعد

فریدیؔ ساکتِ مرحوم خوب شاعر تھا
شہِ معاملہ گوئی تھا وہ نظام کے بعد

ہو گئیں آنکھیں مری مستِ شرابِ بیخودی
آپ کی مستی بھری آنکھوں کے ساغر دیکھ کر

منظرِ مہتاب بھی میری نظر میں ہیچ ہے
آپ کے حسنِ جہاں آرا کا منظر دیکھ کر

اے فریدی مرحبا کہتے ہیں بزمِ شعر میں
میری شایستہ بیانی کو سخن ور دیکھ کر

یہ ابتدائی کلام ہے۔ اس کے صرف تین شعر ایک کاغذ پر لکھے ہوئے ملے۔

❁

کب ہے دنیا میں تمنّائے جہاں بانی مجھے
کاش مل جائے درِ احمدؐ کی دربانی مجھے

کیا بتائے گا کوئی تحریرِ پیشانی مجھے
وہ تو پیش آکر رہے گی جو ہے پیش آنی مجھے

راس آیا خنجرِ جلّاد کا پانی مجھے
ہو گئی سر کے نہ ہونے سے تن آسانی مجھے

آخری اوقات آسانی سے ہو جائیں بسر
چاہیے تھوڑا دمِ شمشیر کا پانی مجھے

یہ چند اشعار ایک شکستہ کاغذ پر پنسل سے لکھے ہوئے ملے جن کو نقل کر لیا گیا۔ مقطع دستیاب نہ ہو سکا۔

✽

میں تھک گیا تو میری نقاہت نے یہ کہا
رہرو نہ چھوڑنا کبھی منزل کی آرزو

گردابِ بحرِ غم نے وہ عالم کیا بپا
کشتیِ دل نے چھوڑ دی ساحل کی آرزو

زیرِ اثر ہوں اپنے دو عالم کی وسعتیں
ہے دیر سے یہ جذبۂ کامل کی آرزو

ہے وصلِ گُل نصیب مگر شور کم نہیں
کیا جانیے کہ کیا ہے عنادِل کی آرزو

ارمانِ غیر جس پہ ہے مدت سے خندہ زن
وہ ہے دلِ فریدیِ بے دل کی آرزو

یہ غزل رسالہ 'مدرس'، امروہہ شمارہ اکتوبر ۱۹۳۲ء میں شائع ہوئی۔

✿

اس طرح بزم پری وش میں ہیں دیوانے چند
شمع کے چاروں طرف جیسے ہوں پروانے چند

مجھ کو ساقی نے دیے بھر کے وہ پیمانے چند
جن میں ہر ایک کے پہلو میں تھے میخانے چند

ہوں وہ خوش بخت قدح نوش کہ ہر صبح و مسا
غیب سے مجھ کو اُتر آتے ہیں پیمانے چند

گل ہیں گر باغ میں بلبل کو تو ہیں کانٹے بھی
چند اپنے ہیں جو دنیا میں تو بیگانے چند

نیند آ کر ہمہ تن گوش بنے گی جن سے
آج کی رات سناؤں گا وہ افسانے چند

حُسن کا قحط نہیں عشق کی تکمیل ہے سخت
گر حسیں سیکڑوں دیکھو گے تو دیوانے چند

زیست عاشق کی ہے اے شمعِ فنا ہیں مضمر
کھٹتے جاتے تھے دمِ طوف یہ پروانے چند

بے کسی جن کی ہے ہمسایہ، خموشی ساکن
عبرت آموز ہیں دراصل وہ کاشانے چند

اے فریدی مرا غوّاص تخیّل لایا
بحرِ جذبات سے نایاب یہ دُردانے چند

❁

رہا تا زندگی اندیشۂ سود و زیاں مجھ کو
تخیّل نے رکھا بیم و رجا کے درمیاں مجھ کو

در و دیوار کو حسرت بھری آنکھوں سے جب دیکھا
سلامِ آخری کرتا نظر آیا مکاں مجھ کو

بتا دیتی ہیں نبضیں ڈوب کر مقصد سے ساحل کا
نفس کی تیز رفتاری ہے منزل کا نشاں مجھ کو

خیالِ فرقتِ احباب اِدھر صدمہ بڑھاتا ہے
اُدھر اُمیدِ راحت دے رہی ہے لوریاں مجھ کو

عزیزوں سے زیادہ بعدِ مُردن روئیں گی باہم
مری غمگینیاں، لاچاریاں، مجبوریاں مجھ کو

ڈبویا مجھ کو اِس دنیا کے دو روزہ علاقے نے
کہاں سے میری قسمت کھینچ لائی تھی کہاں مجھ کو

کسی کی حسرتِ دیدار میں جان دیتا ہوں
بڑی جنّت ہے ہمدم، جلوۂ جانِ جہاں مجھ کو

نہ ہو ریشہ دَوانی کارگر کچھ نفس و شیطاں کی
اُٹھانا ساتھ ایماں کے خدایا انس و جاں مجھ کو

کرم کر دے الٰہی جاں کنی کے وقت دکھلا دے
رسولِ ہاشمی صلِّ علیٰ کا آستاں مجھ کو

سمٹ آئے ہیں سب ارمان میرے ایک مرکز پر
ملے گا اب کوئی دم میں سکونِ جاوداں مجھ کو

❀

ہے یکسر دولتِ احساس سے گلچیں کو محرومی
گلستاں کی یہ بربادی کوئی پوچھے مرے دل سے

نشیمن کو اُجاڑا سنگدل صیاد نے جس دم
صدائے الاماں نکلی مرے ٹوٹے ہوئے دل سے

چمن کے نونہالوں سے یہ ربط و ضبط ہے مجھ کو
اُدھر ٹوٹی کلی کوئی فغاں نکلی اِدھر دل سے

خزاں کے دور میں فصلِ بہاراں کی تمنّا تھی
بہار آئی تو اب فرصت نہیں بربادیِ دل سے

کہیں گھبرا نہ جانا شورشِ ناکام باطل سے
یہ آتی ہے صدا پیہم شکستِ شیشۂ دل سے

بچا کر لائے تھے کشتی کو منجدھاروں کی یورش سے
خبر کیا تھی کہ طوفاں خود اُبھر آئے گا ساحل سے

فریدی رنگ لائے گی یہ ظالم کی ستم کوشی
دُھواں اُٹھتا نظر آئے گا اک دن قصرِ باطل سے

تصوّر سے اندھیری قبر کے دل بیٹھا جاتا ہے
بھیانک سا نظر آتا ہے یہ سارا جہاں مجھ کو

ذرا ٹھہرو خموشی کو میں اپنا ہم زباں کر لوں
سُنانی ہے نئے انداز سے اک داستاں مجھ کو

رہا محوِ تغافل اِس طرح دنیائے فانی میں
ازل میں مل چکی ہو جیسے عمرِ جاوداں مجھ کو

فریدی اچھا اب رخصت مرا تارِ نفس ٹوٹا
دعائے مغفرت سے یاد رکھنا مہرباں مجھ کو

یہ مسلسل غزل جس میں آخری وقت کی کیفیات دکھلائی ہیں ۱۹ نومبر ۱۹۳۳ء یک شنبہ کو اپنے استاد
مولانا محمد یوسف اللہ آباری مرحوم کے یوم وفات پر لکھی گئی۔

مناظرِ فطرت

(ابتدائی دور کی شاعری)

برسات

اے نویدِ جاں فزا اے لکۂ ابرِ مطیر
ہے پیامِ فصلِ گل تیری ادائے دل پذیر

ہو گئے تجھ سے موسمِ گرما سے سب آتش بجاں
تیری آغوشِ کرم گستر ہوئی مہدِ اماں

حاملِ فضلِ خدا گنجینۂ قدرت ہے تو
مصدرِ شانِ کریمی، منبعِ رحمت ہے تو

آتا ہے مثلِ سلیماںؑ تو ہوا کے دوش پر
سائبانِ آسماں کے سائے میں ہے جلوہ گر

صحنِ گلشن میں ترا منظر ہے کیسا دلفریب
ہے یہاں تیری ادا غارت گرِ صبر و شکیب

جلوۂ گل تیری آمد سے ہوا ہے دیدنی
ہو گئی سرمایہ دارِ دلبری ہر اک کلی

تیرے فیضِ عام سے آئے گی جنگل میں بہار
سرزمینِ دشت بھی ہو جائے گی اب لالہ زار

ہو گئے جذباتِ خفتہ یک بیک بیدار پھر
دیکھ کر تجھ کو ہوا شوقِ گل و گلزار پھر

گاتی ہے ملہار پیہم عندلیبِ خوش گلو
رند جوشِ نشۂ مے سے ہے وقفِ ہائے و ہو

ہو گیا محوِ تخیّل شاعرِ نازک خیال
مستِ جامِ بے خودی ہے شاہدِ رنگیں جمال

ہے فریدی منتظر تیرے نزولِ فیض کا
جس سے ہو جائے گی دنیا کی ہر اک شے پُرفضا

یہ نظم ۹ جون ۱۹۳۱ء کو لکھی گئی اور رسالہ شاعر آگرہ میں شائع ہو چکی ہے۔

موسمِ سرما

مبارک باد رُت جاڑے کی آئی
نیا اک دَور اپنے ساتھ لائی

اُمنگوں میں لطافت آگئی ہے
دماغوں میں طراوت آگئی ہے

نہیں سورج میں گرمی نام کو اب
حظ اندوزِ شعاعِ مہر ہیں سب

عجب دلکش ہے اِس موسم کا مہتاب
ہے بحرِ نور میں ہر چیز غرقاب

ہے دن اس کا مثالِ یومِ عشرت
ہے رات اس کی نظیرِ لیلِ فرقت

گلوں کی سرد بازاری ہوئی ہے
خزاں کی اب عملداری ہوئی ہے

ہے یہ بھی سرد مہریِ زمانہ
کہ گرمی کا نہیں کوئی ٹھکانا

الاؤ پر غریبوں کی ہے کثرت
لحافوں میں تونگر محوِ راحت

سروں پر جن کے بارِ امتحاں ہے
شبِ سرما اُنھیں راحت نشاں ہے

جداگانہ ہیں اس موسم میں جذبات
ہیں بامِ چرخ سے اوپر خیالات

فریدی خوف ہو سرما کا کیونکر
کرم گستر ہے مہرِ حسنِ دلبر

یہ نظم ۱۹۳۲ء میں لکھی گئی اور رسالہ 'شاعر' آگرہ میں شائع ہوئی۔

ابرِ بہار

مایۂ صد عیش ہے پیمانۂ ابرِ بہار
رہنمائے رقص ہے میخانۂ ابرِ بہار

محتسب کو دو خبر ہے شغلِ بادہ جوش پر
میکشوں کے ساتھ ہے میخانۂ ابرِ بہار

جھومتا آتا ہے جس دم دیکھتا ہوں غور سے
رندِ بادہ کش ہے یا میخانۂ ابرِ بہار

ہے ہر اک مستِ طرب ہر شخص محوِ لطف ہے
بہرِ فیضِ عام ہے میخانۂ ابرِ بہار

نونہالانِ چمن ہیں ساغرِ لالہ بکف،
لُٹ رہا ہے باغ میں میخانۂ ابرِ بہار

مے کے ہر ساغر میں مضمر ہے حیاتِ بوستاں
باغ و گل کی جان ہے میخانۂ ابرِ بہار

ایک شکستہ و دریدہ کاغذ پر یہ چند اشعار ناقص اور نامکمل حالت میں ملے۔ ایک یادداشت سے پتا چلتا ہے کہ یہ اشعار رسالہ "شاعر" آگرہ میں چھپ چکے ہیں۔

جوشِ باراں

لو وہ بوندیں آگئیں یک بارگی
جاگ اُٹھے نیند سے اک دم سبھی

آ رہا ہے جوش اک جذبات میں
حوصلے بالا ہوئے اس رات میں

اب تقاطُر میں تسلسل ہو گیا
جوشِ باراں ہو گیا حد سے سوا

آنکھ میں پھر نیند آئی یک بیک
روح نے تسکین پائی یک بیک

اے فریدی کر ادا شکرِ خدا
منتظر تھا تو نزولِ فیض کا

یہ مکمل نظم رسالہ شاعر آگرہ میں شائع ہو چکی ہے۔ اس وقت اس کے چند اشعار ایک شکستہ کاغذ پر ملے۔

ماہِ صیام

نوید اے مے کشانِ معرفت ماہِ صیام آیا
فرازِ عرش سے پھر لطف و رحمت کا پیام آیا

اسی ماہِ مقدس میں طفیلِ سرورِ عالمؐ
خدا کا آخری پیغام دل آرا کلام آیا

وہ مسجد بادۂ وحدت کا جس کو میکدہ کہیے
اسی میخانۂ وحدت میں وقتِ دورِ جام آیا

اس نظم کے تمام اشعار دستیاب نہ ہو سکے۔

عید کے روز

برطرح : کاش آجائے وہ مہ رو مرے گھر عید کے روز

اللہ اللہ یہ خوشی کا ہے اثر عید کے روز
کہ ہنسے دیتے ہیں سب زخم جگر عید کے روز

کیا ہوا وہ جو ہوئے غیر کی محفل میں شریک
کیا ملا وہ نہ ملے مجھ سے اگر عید کے روز

کس قدر اُن کی خوشی میں ہے اضافہ اے دل
میرے مرنے کی جو پہنچی ہے خبر عید کے روز

درد جب اُٹھنے لگا میں نے کہا اے ہمدم
کوئی دم کے لیے تو اور ٹھہر عید کے روز

تو مبارک ہو کہ نزدیک ہے اب یومِ وصال
مرغِ دل بولا یہ ہنگامِ سحر عید کے روز

عمر بھر یاد رہے گی یہ تری بے مہری
اک ذرا بھی تو نہ کی مجھ پہ نظر عید کے روز

اُن کو ہمراہِ عدو جب خوش و خرّم دیکھا
سخت محجوب ہوا دیدۂ تر عید کے روز

تھا بہت عقدہ کشا ناخنِ تدبیر مگر
کسی صورت نہ کھُلا یار کا در عید کے روز

حضرت فریدی نے اپنی بیاض میں مندرجہ ذیل نوٹ لکھا ہے :

"۱۹۲۸ء تک احقر کا تخلص آمداد تھا۔ صرف ایک غزل میں اپنے نام کو تخلص اختیار کیا۔ بالآ
منشی عبدالرب صاحب شکیب مرحوم کے فرمانے پر فریدی تخلص رکھا گیا۔ ۱۹۲۶ء سے ۱۹۲۸ء تک کا کلام"

ہم نے دیکھا نہیں امداد سا محرومِ وصال
کر گیا عالمِ فانی سے سفر عید کے روز

ع ہوا، کچھ موجود ہے۔ اُس میں انتخاب کی زیادہ ضرورت ہے۔"

مذکورہ غزل ۲۵ مارچ ۱۹۲۸ء کو لکھی گئی اور رسالہ "شاعر امروہہ" کے مئی ۱۹۲۸ء کے شمارے میں
۲۱ پر شائع ہوئی۔ اِس رسالے کے مدیر مرسید حبیب احمد اُفق کاظمی تھے۔

تضمین

بر غزل حافظ شیرازیؒ

مکن در حلقۂ گیسو اسیرم — امانم دِہ مرا اے دستگیرم
زتو اے جانِ جاں منّت پذیرم — مزن بر دل ز نوکِ غمزہ تیرم
کہ پیشِ چشمِ بیمارت بمیرم

باوجِ دلبری مہرِ جمال ست — بملکِ دلبری فرخندہ حال ست
رُخت مہدِ فیوضِ ذوالجلال ست — نصابِ حسنِ در حدِّ کمال ست
زکوٰتم دِہ کہ مسکین و فقیرم

نہیں ہیں دولتِ دنیا کے درپے — نہیں مطلوب جز جاناں کوئی شے
مجھے مدِّ نظر تزئینِ دل ہے — مبادا جز حسابِ مُطرب و مے
اگر حرفے کشد کلکِ دبیرم

رسولِ ہاشمی حضرت محمدؐ — کہ جن کا آسرا ہے مجھ کو بے حد
وہی ہیں حاملِ الطافِ سرمد — دراں غوغا کہ کس کس را نپرسد
من از پیرِ مُغاں منّت پذیرم

مرا نغمہ ہے ہمدم حسبِ دلخواہ　　مجھے کب آب و دانہ کی ہے پرواہ

ہر اک قیدِ علائق سے ہوں آگاہ　　من آں مُرغم کہ ہر شام و سحرگاہ

ز بامِ عرش می آید صفیرم

مٹائے جب مجھے گردونِ گرداں　　الم جب خانۂ دل میں ہوں مہماں

شرابِ بیخودی ہو اُس کا درماں　　قرارے کردہ ام بامے فروشاں

کہ روزِ غم بجز ساغر نگیرم

پلا دے ساقیا صہبائے مستی　　بنا مرہونِ استیلائے مستی

گھٹا کی طرح سے چھا جائے مستی　　خوشا آں دم کہ استغنائے مستی

فراغت بخشد از شاہ و وزیرم

دراں حالیکہ میں بے زر ہوں ہمدم　　مرا داغِ جگر ہے رشکِ درہم

فریدی دولتِ اُلفت ہے کیا کم　　فراواں گنجِ غم در سینہ دارم

اگرچہ مدّعی بیند فقیرم

مناقبِ

اولیاء اللہ قدس اللہ اسرارھم

جلوہ گاہِ طریقت

(حضرت بابا بہاء الدّین فریدی علیہ الرحمۃ، رجب پور)

رجب پور[1] ہے جلوہ گاہِ طریقت
یہاں فیض گستر ہے شاہِ طریقت

یہاں کی زمیں ہے فلک سے بھی اونچی
کہ ہے مرکزِ مہر و ماہِ طریقت

یہاں جاہِ جمشید کی کیا حقیقت
ہے یہ سرزمیں بارگاہِ طریقت

ہے پوشیدہ یاں راحتِ جانِ بابا[2]
بہائے دل و دیں[3] بجاہِ طریقت

ضیائے دل و نورِ چشمِ ولایت
ہوئے ہادیِ شاہراہِ طریقت

یہ ہے حاجی موسیٰ[4] کے قدموں کا صدقہ
کہ آباد ہے خانقاہِ طریقت

ہے نسبت جسے خواجہ گنج شکرؒ سے
وہ ہے معتبر در نگاہِ طریقت

---

[1] موضع رجب پور (دہلی مراد آباد روڈ پر، امروہہ سے ۹ کلومیٹر پہلے)
[2] حضرت شاہ بہاء الدین فریدیؒ
[3] حضرت شاہ ضیاء الدّین فریدیؒ
[4] حضرت حاجی محمد موسیٰ فریدیؒ

کھڑے ہیں مسافر ترے در پہ آقا عطا ہو عطا زادِ راہِ طریقت
فریدیؔ عاصی کہوں کس زباں سے مرے جدِّ امجد ہیں شاہِ طریقت

(دبدبہ سکندری رام پور جلد ۹۲ شمارہ ۱، ۲۳ر اکتوبر ۱۹۵۳ء)

آفتابِ سرہند

حضرت شیخ احمد فاروقی سرہندی مجدّدِ الفِ ثانی

قدّس سرّہ العزیز

بساطِ ہند پر جب شرک و بدعت کی حکومت تھی
ہر اک جانب، ہر اک سو، ہر طرف ظلمت ہی ظلمت تھی

اور اس ظلمت میں دیں تھا "کرمکِ شب تاب" کی صورت
خزاں دیدہ چمن میں شبنمِ شاداب کی صورت

علانیہ رَوافض رِفض کی تلقین کرتے تھے
ابوبکرؓ و عمرؓ کی بے دھڑک توہین کرتے تھے

جلال الدین اکبر نے تھی طرحِ "دینِ نو" ڈالی
تھی مضمر جس میں یکسر ملّتِ بیضا کی پامالی

غرض فتنوں کی شوریدہ سری اک رنگ لائی تھی
خزاں اسلامیانِ ہند کے گلشن پہ چھائی تھی

خدائے پاک کی غیرت نے لی اُس وقت انگڑائی
عمرؓ کے خانداں سے اک مجدّد کی صدا آئی

مجدّد بھی وہ کیسا، الفِ ثانی کا مجدّد تھا
ضلالت کا مٹانے والا سُنّت کا مؤید تھا

شریعت کا، طریقت کا، حقیقت کا مجدّد تھا
فقاہت کا، تصوف کا، مشیخت کا مجدّد تھا

تبرّے کی جگہ مدحِ صحابہؓ کو کیا جاری
تقیّہ کے عوض تقویٰ کو رگ رگ میں کیا ساری

محمد مصطفےٰؐ کے دینِ خالص کو کیا ظاہر
کیا اسلام کو آمیزشِ بدعات سے طاہر

کیا الہامی ارشادات سے احیاء شریعت کا
تصانیف اور مکتوبات سے احیاء شریعت کا

وہ مکتوبات جن میں علم و حکمت کا خزانہ ہے
افادیت کا جن کی معترف سارا زمانہ ہے

قلم میں وہ روانی رودِ گنگا جس سے شرمائے
معارف وہ کہ جن کو سن کے عارف وجد میں آ

وہ صوتِ سرمدی تھی یا صدائے شیخ سرہندیؒ
جسے سن کر ہوئے بیتاب رومی و سمرقندی

کیا مستحکم و ہموار اہلِ دین و ایماں کو
دیا درسِ یقین و تقویٰ ہر مردِ مسلماں کو

پڑھایا کلمۂ توحیدِ خالص کفر والوں کو
کیا صیدِ حرم بھارت کے رم خوردہ غزالوں کو

نہ صرف ہندوستاں تھا دائرہ اُن کی ولایت کا
حجاز و مصر و شام و روم بلکہ سارا عالم تھا

الٰہی ہند میں پھر اک مجدّد کی ضرورت ہے
بڑا ہی روح فرسا انتشارِ اہلِ ملّت ہے

الٰہی بھیج دے پھر شیخ احمدؒ سا کوئی رہبر
الٰہی بھیج دے فاروقی سطوت کا کوئی رہبر

فریدؔی کی دعائے نیم شب مقبول ہو جائے
وہی اگلی سی رونق دین کی پھر لوٹ کر آئے

یہ نظم الفرقان کے مجدد نمبر میں شائع ہوئی۔ پھر فریدی نمبر میں بھی نقل ہوئی۔

خانقاہ
حضرت شاہ ابنؒ بدر چشتیؒ
میں
علامہ عبدالقادر بدایونیؒ کی آمد

شہادت دیتی ہے ہم کو یہ تاریخِ بدایونی
کہ عبدالقادر اک بار آئے تھے حضرتؒ کی خدمت میں

جمع تھے خانقاہِ بدر چشتی میں سب اہلِ دل
شریکِ حلقہ یہ بھی ہو گئے بزمِ طریقت میں

اثر انگیز اس درجہ تھا فیضِ صحبتِ حضرت
کہ جوشِ باطنی تھا موجزن ہر اک طبیعت میں

حقائق آشکارا تھے ہر اک ارشادِ عالی میں
معارف تھے نمایاں سر بسر لطفِ خطابت میں

نشاطِ دل تھی حاصل ہو رہی، تھی کیف کی بارش
اضافہ ہو رہا تھا سب کی روحانی مسرت میں

خصوصیت سے یہ تلقین کی شیخِ بدایوں[1] کو
کہ لازم صبر ہے انسان کو ہر اک مصیبت میں

ہر اک انسان ہے بے دست و پا قانونِ قدرت سے
نہیں ہے عبد کو کچھ دخل قادر کی مشیت میں

سُنائیں صبر کی تاکید میں آیاتِ قرآنی
کیے ظاہر جو تھے معنیٔ سربستہ ہر آیت میں

گئے اپنے وطن کو جب کہ وہ علامۂ یکتا
دُرِ مقصود لے کر اپنے دامانِ عقیدت میں

---

[1] حضرت علامہ عبدالقادر بدایونیؒ مصنف منتخب التواریخ المعروف بہ تاریخ بدایونی۔ آپ حضرت شاہ ابن بدر چشتؒ کے ہم عصر مؤرخ تھے۔

سُنا جا کر کہ اُن کی ایک لڑکی دہرِ فانی سے — ہوئی ہے راہیِ دنیائے باقی اُن کی غَیبت

ہوئے بیہوش اک دم اور پھر کچھ ہوش میں آ کر — پڑھا اِنّا الیہِ راجعُونْ عینِ مصیبت

خیال آیا معاً ان کو زراہِ کشف حضرتؒ نے

مجھے تعلیم دی تھی صبر کی رنج و مصیبت میں

✿

تمھیں ہو شاہِ امروہہ جنابِ شاہِ کرمانیؒ
نہیں کوئی ولی تم سا جنابِ شاہِ کرمانیؒ

تمھارا فیضِ روحانی جہاں میں سب پہ روشن ہے
مصفّا دل کرو میرا جنابِ شاہِ کرمانیؒ

مداوا کیجیے للّٰہ میرے دردِ عصیاں کا
تمھیں ہو غیرتِ عیسیٰؑ جنابِ شاہِ کرمانیؒ

تمھیں ہو عندلیبِ معرفت گلزارِ عرفاں میں
تمھارا ہے بڑا رتبہ جنابِ شاہِ کرمانیؒ

عقیدہ ہے مرا تم ہو کشودِ کار پر قادر
مری بگڑی بنا دینا جناب شاہِ کرمانیؒ

خدا کے واسطے مجھ کو بچا لو جورِ دوراں سے
مرے مولا مرے آقا جنابِ شاہِ کرمانیؒ

بڑی مدت سے امدادِ حزیں کی یہ تمنا ہے
بنا لو تم اُسے بردا جنابِ شاہِ کرمانیؒ

غالباً یہ پہلی منقبت ہے جو مجلّہ 'درِ مقصود' شمارہ ۸/ ۱۹۲۶ء میں شائع ہوئی۔

ہے کیا اللہ اکبر مصدرِ فیضان امروہہ

ہے بے وہم و گماں توحید کا ایوان امروہہ
بلا ریب و گماں ہے فقر کا ایمان امروہہ

زفیضِ عرسِ حضرت شاہِ ابّن پیر کرمانیؒ
بنا ہے واہ کیا خجلت دہِ رضوان امروہہ

بنا ہے مدفنِ حضرتؒ کے باعث مرجعِ عالم
نہ ہو کیوں مرتبے میں افضل و ذیشان امروہہ

ہر اک زائر کو ملتی ہے سعادت کی یہاں دولت
ہے کیا اللہ اکبر مصدرِ فیضان امروہہ

سدا محفوظ رکھنا آپ اِسے زورِ ولایت سے
مبادا چرخ کا ہو مُوردِ پیکان امروہہ

ہے اس میں جبکہ واقع آستانہ بدر چشتیؒ کا
نہ ہو امداد سب شہروں میں کیوں سُلطان امروہہ

یہ منقبت در مقصود شمارہ ۹ سنہ ۱۹۲۷ء میں شائع ہوئی۔ بار دیگر شمارہ ۵ سنہ ۱۹۹۱ء میں بھی نقل کی گئی۔

بزمِ تصوّر
(حضرت بدرِ چشتیؒ کے حضور میں)

تصوّر لے گیا اک روز بزمِ بدرِ چشتیؒ میں
وہ بزمِ خاص جس میں روح کو تسکیں نظر آئی

قرو کش تھا وہاں وہ مظہرِ اوصافِ ربّانی
کہ جس کے سامنے شاہی بھی کرتی تھی جبیں سائی

مودّب ہو کے جا بیٹھا میں اک جانب کو محفل میں
سراسر مردِ حقّانی کی ہیبت قلب پر چھائی

جو دل میں بات تھی میں عرض کر سکتا نہ تھا اُس کو
زباں خاموش تھی اور قلب تھا مشغولِ گویائی

کہ اتنے میں نظر اُس ماہِ کامل کی پڑی مجھ پر
نظر ایسی تصدّق جس پہ ہو مینائے صہبائی

بطورِ کشف فرمایا بتا کہنا ہے کیا تجھ کو
میں تجھ کو دیکھتا ہوں دیر سے وقفِ شکیبائی

کہا میں نے کہ مجھ کو عرض کرنا ہے یہ خدمت میں
مسلماں ہند میں ہے وقفِ ذلّت صرفِ رسوائی

نہ اطمینان کی صورت نہ استقلال کی حالت
نہ تنہا مال و جاں پر، آبروؤں پر بھی بن آئی

زبوں حالی، شکستہ خاطری، افلاس و ناداری
اور اُس پر طرّہ یہ ہے لشکرِ غم کی صف آرائی

وہ اجمیرِ مقدّس جو کہ ہے چشتی کا میخانہ
وہاں کے جام و مینا چھوڑ بیٹھے بادہ پیمائی

وہ دلّی جو کہ ہے دربار قطبُ الدّین و ملّت کا
اُسی دلّی میں کی اعدائے حق نے فتنہ آرائی

وہ امروہہ کہ جس کو ناز ہے حضرتؒ کے قدموں پر
اُسی امروہہ کے ہر بام و در پر مُردنی چھائی

نہ وہ پہلی سی شوکت ہے نہ وہ پہلی سی عظمت ہے
نہ وہ ہمت ہے باقی اور نہ وہ تاب و توا

دلِ نامطمئن کا کچھ مداوا ہو تو کیوں کر ہو
دلِ پژمُردہ کو درکار ہے شانِ مسیح

علاجِ دردِ دل فرمائیے اے سالکِ وحدت
کہ دارالصحتِ عالی سے لاکھوں نے شفا پا

یہ فرمایا کہ سُن اب مجھ سے فرزندِ فریدالدینؒ
تری خاطر بیاں کرتا ہوں اسرارِ مسیحا

یقین و صبر و استقلال ہیں جوہر مسلماں کے
اُسے ملتی ہے تسلیم و رضا سے مسند آر

"یقیں پیدا کر اے غافل یقیں سے ہاتھ آتی ہے
وہ درویشی کہ جس کے سامنے جُھکتی ہے دا

محمدؐ کی غلامی میں ہے عزّت مردِ مسلم کی
شہنشاہِ زمانہ ہے شہِ بطحاؐ کا شید

"وہ دانائے سُبلؐ ختمِ رسلؐ مولائے کُلؐ جس نے
غبارِ راہ کو بخشا فروغِ طُورِ سینا

مسلماں کے لیے قرآن ہے شمعِ رہِ عزّت
وہ قرآں پاس ہے اُس کے بصد اندازِ رعن

کتابُ اللہ کے اوّل ہے با اور سین آخر میں
یہی بس ہے اگر رکھتا ہے کچھ بھی عقل و دانائی

یہ منقبت رسالہ 'درمقصود' کے شمارہ ۳۵ ذی الحجہ ۱۳۷۱ھ/ستمبر ۱۹۵۲ء میں طبع ہوئی۔

خانقاہ بدرِ چشتؒ دیکھ کر

اے حریمِ قُدسیاں اے خانقاہِ بدرِ چشتؒ! اے نمودِ حق نُما دربارِ شاہِ بدرِ چشتؒ
اے مقامِ دلستاں اے جلوہ گاہِ بدرِ چشتؒ اے دلیلِ عزم و شان و عزّ و جاہِ بدرِ چشتؒ

اے کہ تو اسلاف کی ہے اک دل آرا یادگار
نُورِ حق ہے تیرے ہر دیوار و در سے آشکار

آئے ہیں دربار میں تیرے سبھی پیر و جواں عہدِ آبیؒ کی سُنا دے وہ پرانی داستاں
جبکہ ہر ذرّہ ترا تابش میں تھا خورشید ساں جبکہ تھی ہر اینٹ تیری رازگوئے کُن فکاںؐ

جب تری آغوش میں اک گوہرِ نایاب تھا
گونجتی تھی جب ترے گوشوں سے صوتِ لا الٰہ

ہاں بتا دے مجھ کو اسرار و رموزِ بےخودی ہاں بیاں کردے ذرا رازو نیازِ سرمدی
ہاں عیاں کر دے شبیہہِ شاہکارِ حیدری ہاں مجھے پیغام دے کوئی بہ صوتِ دلبری

رہنمائے راہِ عرفاں کُن چراغِ طور را
کارواں گم کردہ را للہ زن بانگِ درا

ہاں سُنا دے سازِ خاموشی سے وہ نغمے مجھے   جس سے اہلِ وجد ہر دم بیخود و بے ہوش تھے
ہاں دکھا دے پھر وہی منظر کہ محوِ درس ہے   عالمِ گوشہ نشینے، عارفِ زندہ دلے

تازہ خواہم داشتن ایں داغہائے سینہ را
گاہے گاہے باز خوان ایں قصۂ پارینہ را

رہ نوردِ وادیِ توحید کی منزل ہے تو   لیلیِٔ رازِ ازل کا دلنشیں محمل ہے تو
کشتیِ بحرِ عظیمِ عشق کا ساحل ہے تو   جلوۂ نورِ خدائے پاک کی حامل ہے تو

تیرے ارضِ قُدس کی جو خاک دامن گیر ہے
کیمیا ہے اہلِ باطن کے لیے اکسیر ہے

یاد عہدِ رفتہ کی آتی ہے تجھ کو دیکھ کر   یک بیک ہوتا ہے وہ منظر مرے پیشِ نظر
فیض یابِ بارگاہِ حضرتِ گنجِ شکرؒ   ہے مُراقب حلقۂ طلّابِ حق میں سر بسر

کوئی خنداں، کوئی گریاں اور کوئی سرشار ہے
کوئی عالی ظرف پی کر خُم کے خُم ہُشیار ہے

یاد آیا میکہ تھا یاں رات دن کا مشغلہ   شرح و تفسیرِ قرآں، درسِ حدیثِ مصطفےٰؐ
وعظ اور پند و نصائح ہوتے تھے صبح و مسا   جادۂ راہِ بقا کا جن سے چلتا تھا پتا

اب نہ وہ ساقی نہ وہ ساغر نہ وہ پیمانہ ہے
شکوہ سنجِ انقلابِ آسماں میخانہ ہے

ے مذاقِ غزنوی ہے اور نہ ہے حُسنِ ایاز — نردباں ہو جو حقیقت کا نہ وہ عشقِ مجاز

واہشاتِ دنیوی نے کر لیے پاؤں دراز — بن گئے ہم بندۂ نفس و اسیرِ حرص و آز

اب دلوں میں جذبۂ پروازِ لاہوتی نہیں

سیکڑوں میں ایک بھی شہبازِ لاہوتی نہیں

سجد و منبر ہوں یا ہوں خانقاہ و مدرسہ — دائرے یہ نقطۂ اسلام کے ہیں بے شبہ

روح ان سب قالبوں میں ایک ہے جلوہ نما — ان کے مقصد میں تفاوت کا نہیں ہے شائبہ

مسجد و منبر پئے نقش و نگارِ مشتِ گِل

خانقاہ و مدرسہ مشّاطگانِ زلفِ دل

پھر وہی فصلِ بہار آئے گلوں میں جوش ہو — ساغرِ توحید سے پھر شغلِ نوشا نوش ہو

پھر تصوّف سے بھری اسلام کی آغوش ہو — پھر ربابِ نغمہ زا سازِ دلِ خاموش ہو

مطلعِ دل پھر خیالِ حُسنِ جانانہ رہے

شمعِ رُخ کے نور سے معمور کاشانہ رہے

ے فریدی چاہتا ہے تو اگر فتحِ مبیں — سنّتِ خیر البشرؐ پر ہو تو مائل بالیقیں

ستِ ہمّت سے پکڑ اللہ کی حبلُ المتیں — تجھ پہ کھل جائیں گے جو سربستہ ہیں اسرارِ دیں

زندگیِ اولیاء اللہ خوش مأمن ہے یہ

اُسوۂ حضرت ابوالفتحؒ شہِ ابنؒ ہے یہ

شائع شدہ 'درِ مقصود'، شمارہ ۱۶، ۱۳۵۲ھ/۱۹۳۴ء

لایا ہوں دل، ہٖیں سوزشِ پنہاں لیے ہوئے
سامانِ صد ہزار چراغاں لیے ہوئے

آیا ہوں نقدِ دولتِ ایماں لیے ہوئے
پیمانۂ الست کا ارماں لیے ہوئے

اے بدرِ چشتیہؒ اپنے فریدی پہ اک نظر
آیا ہے در پہ ذوقِ فراواں لیے ہوئے

یہ اشعار سالانہ مجلس منقبت منعقدہ ۱۶؍ذی الحجہ ۱۳۶۸ھ/۱۰؍اکتوبر ۱۹۴۹ء میں پڑھے گئے اور "درمقصود" شمارہ ۳۳ ذی الحجہ ۱۳۶۹ھ/ستمبر ۱۹۵۰ء میں شائع ہوئے۔

اُلجھا ہے مرا دل گیسوے جانانہ، بدرِ چشتیؒ میں
اب جاں کے سوا کیا پیش کروں نذرانہ، بدرِ چشتیؒ میں

پوشیدہ ہیں لاکھوں میخانے پیمانہ، بدرِ چشتیؒ میں
کونین سے مستی کھینچ آئی مے خانہ، بدرِ چشتیؒ میں

کیا روح پڑی ہے میکش کی پیمانہ، بدرِ چشتیؒ میں
رقصاں ہے جو ہر جانب، ہر سُو مے خانہ، بدرِ چشتیؒ میں

مضرابِ محبّت سے ہر دم توحید کے نغمے چھڑتے ہیں
عرفان کی بارش ہوتی ہے کاشانہ، بدرِ چشتیؒ میں

بادہ نہ سہی تلچھٹ ہی سہی، زائد جو نہ ہو، تھوڑی ہی سہی
لا مجھ کو جو باقی ہے ساقی پیمانہ، بدر چشتیؒ ہیں

ساقی کے قدم پر گرتے ہیں، ساغر کی بلائیں لیتے ہیں
ہشیار ہیں کس درجہ میکش، مے خانہ، بدر چشتیؒ ہیں

آنکھوں ہیں تجلّی دل میں تڑپ، آہوں میں اثر، نالوں میں شرر
دنیائے قیامت پنہاں ہے دیوانہ، بدر چشتیؒ ہیں

شاہی ہیں فقیری کے جلوے، درویشی میں شوکت شاہی کی
یہ بات نمایاں ہے بزمِ شاہانہ، بدر چشتیؒ ہیں

چڑھ آئے اگرچہ لشکرِ غم، کچھ خوف نہ کھا، کچھ فکر نہ کر
تلوار کو رکھ، ساغر کو اٹھا خم خانہ، بدر چشتیؒ ہیں

کچھ بھی نہ سہی، اک جذب تو ہے، اک کیف تو ہے اک درد تو ہے
اک رقص تو ہے، اک وجد تو ہے پروانہ، بدر چشتیؒ ہیں

کر دی ہے بہت کم فکروں نے مدّت سے فریدی فکرِ سخن
کچھ لایا ہوں لیکن کچھ بزمِ سالانۂ بدرِ چشتیؒ میں

یہ منقبت سالانہ مجلس منعقدہ ۱۶؍ذی الحجہ ۱۳۶۹ھ/ ۲۹؍ستمبر ۱۹۵۰ء میں پڑھی گئی اور "درِ مقصود" کے شمارہ ۳۴؍ ۱۳۷۰ھ/ ۱۹۵۱ء میں شائع ہوئی۔

❀

مرحبا صد مرحبا دربارِ شاہِ بدرِ چشتؒ
مرکزِ رُشد و یقیں ہے خانقاہِ بدرِ چشتؒ

انقلاب آیا اگر جنبش ہوئی ابرو کو کچھ
دب گئے فتنے اگر اٹھی نگاہِ بدرِ چشتؒ

چشت کا وہ چاند ہے جس پر زوال آتا نہیں
بدرِ کامل ہی رہا کرتا ہے ماہِ بدرِ چشتؒ

سچ اگر پوچھو تو امروہہ بھی ہے اک ارضِ پاک
پاک پٹن سے ہے ربطِ جلوہ گاہِ بدرِ چشتؒ

مردِ مومن پر حوادث کا اثر ہوتا نہیں
چپکے چپکے کہہ رہی ہے یہ نگاہِ بدرِ چشتؒ

کوئی طاقت بھی دبا سکتی نہیں توحید کو
یہ تسلی دے رہی ہے خانقاہِ بدرِ چشتؒ

چاند تارے آسماں سے سب اُتر آئے وہیں
جس زمیں پر پڑ گئی اے دل نگاہِ بدرِ چشتؒ

بھول جاتا ہے اگر رہرو پتا مقصود کا
نقشِ پا اُٹھ کر بتا دیتا ہے راہِ بدرِ چشتؒ

اے فریدی درحقیقت ہے مقدس یادگار
درس گاہِ علم و عرفاں خانقاہِ بدرِ چشتؒ

یہ منقبت بھی "درِ مقصود" کے شمارہ ۳۴ ۱۳۷۰ھ / ۱۹۵۱ء میں شائع ہوئی۔

روضۂ بدرِ چشت پر لطفِ بہار دیکھ لو
ہاں ذرا کوہِ طور پر جلوۂ یار دیکھ لو

بادہ کشوں کو دو خبر کھل گئے میکدے کے در
جامِ شرابِ چشت کا کیف و خمار دیکھ لو

میرے وطن کے بام و در بقعۂ نور بن گئے
مسکنِ شہ پہ رحمتِ پروردگار دیکھ لو

پہلی سی معرفت نہیں پہلا سا جذبِ دل نہیں
گہری نظر سے گردشِ لیل و نہار دیکھ لو

قدموں پہ چاند ہے نثار نور ہی نور ہے عیاں
چاندنی رات میں ذرا شہ کا مزار دیکھ لو

آپ کے قدموں کے تلے ہو گیا دفن جو کوئی
مرکزِ نور بن گیا اُس کا مزار دیکھ لو

وقت ہے دورِ جام کا ساقیِ چشت سے کہو
ساری فضا پہ چھا گیا ابرِ بہار دیکھ لو

بلبلِ باغِ فقر کا نغمۂ جانفزا سنو
گلشنِ بدرِ چشت میں رنگِ بہار دیکھ لو

قبرِ فریدِ کی حزیں ظاہرا بے چراغ ہے
اُلفتِ شاہ بن گئی شمعِ مزار دیکھ لو

یہ منقبت ۱۲ مئی ۱۹۳۰ء کو لکھی گئی اور "مقصود" میں شائع ہوئی۔

دُرِ مقصود

بدرِ چشتیؒ کے مناقب ہوں بھلا کس سے بیاں
جن کے آثارِ ولایت ہیں بہر جانب عیاں

صرف امروہہ نہیں ہے آپ کے زیرِ کرم
دُور تک ہے آپ کے احسان کا دریا رواں

مصدرِ لطف و کرم سینۂ بدرِ چشتیؒ
قاسمِ فیض ہے گنجینۂ بدرِ چشتیؒ

دُرِ مقصود نہ ہو کیوں دل و جاں سے مطلوب
در حقیقت ہے یہ آئینۂ بدرِ چشتیؒ

پنجاہ سالہ کوششِ پیہم کا ہے ظہور
آنکھوں کی ہے ضیا دُرِ مقصود، دل کا نور

دل دادگانِ بادۂ اُلفت کو ہے پیام
صہبائے بدرِ چشتؒ کا دیکھیں ذرا سُرور

رُوحِ عبدالوحید رضوی کو
کوششوں کا ثمر مبارک ہو

دُرِ مقصود ہے نظر افروز
یہ بہشتِ نظر مبارک ہو

یہ چند قطعات رسالہ 'دُرِ مقصود' کے پنجاہ سالہ جوبلی نمبر میں شائع ہوئے۔ (شمارہ ۱۹۶۵ء)

نذرِ عقیدت

حضرت شاہ ولی اللہ فاروقی محدّث دہلویؒ کے مزار پر

ارِ حضرتِ شاہِ ولی اللہؒ پر ہمدم!
دلِ پُر یاس و حسرت چشمِ گریاں لے کے آیا ہوں

ہیں آیا میں خالی ہاتھ اِس درگاہِ عالی میں
عقیدت کیشیاں، نقدِ دل و جاں لے کے آیا ہوں

ڈ کُھلا جائیں دو اک روز میں وہ پھول کیا لاتا
میں اپنے باغِ دل کی چند کلیاں لے کے آیا ہوں

ڑھانے کو تری تربت پہ چادر ساتھ کیوں لاتا
میں اپنے سر پہ تیرا بارِ احساں لے کے آیا ہوں

رے پیشِ نظر تصویر ہے 'بزمِ محدثؒ' کی
تصوّر میں گلستاں در گلستاں لے کے آیا ہوں

ہ دہلی اور اس کی شوکتیں پھر یاد آئی ہیں
خزاں کے دور میں یادِ بہاراں لے کے آیا ہوں

بچایا راہزن سے رہنمائی نے تری اس کو
بحمد اللہ متاعِ دین و ایماں لے کے آیا ہوں

تری تعلیم کے صدقے سے ہے جس میں تڑپ باقی
اُسی حسّاس دل کو زیرِ داماں لے کے آیا ہوں

سنا دے پھر وہی نغمے مجھے توحید و سنّت کے
میں اُن نغمات کے سننے کا ارماں لے کے آیا ہوں

فلک سے کہہ دو اب شبنم کے قطروں کو نہ برسائے
میں قبرِ شیخ پر اشکوں کی لڑیاں لے کے آیا ہوں

عقیدت، نقدِ اُلفت، یادِ ماضی، سوزِ پنہانی
مزارِ شیخ پر کیا کیا میں ساماں لے کے آیا ہوں

سنائی ہے مجھے اک داستاں بزمِ تصوّر میں
میں اک دنیائے جذباتِ پریشاں لے کے آیا ہوں

فریدی میں نہیں آیا ہوں تنہا مرقدِ شہ پر
دعا ہائے فراواں، ذوقِ پنہاں لے کے آیا ہوں

یہ نظم 'الفرقان' کے شاہ ولی اللہؒ نمبر میں شائع ہوئی۔ پھر ۱۹۸۹ء میں الفرقان کے فریدی نمبر میں بھی اس کو نقل کیا گیا۔

درمدح
حضرت سیّد شاہ ضیف اللہ کاظمی نقشبندی مجددیؒ
خلیفہ حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں شہیدؒ
(خانقاہِ ضیفیہ کے مشاعرے میں پڑھی گئی)

نام ہے کتنا پیارا شاہ ضیف اللہؒ کا
ذکر ہے کتنا دل آرا شاہ ضیف اللہؒ کا

ضیف اور اللہ میں ہے اِتّصالِ باہمی
ہے خدا سے یہ علاقہ شاہ ضیف اللہؒ کا

جب سنا میں نے افقؔ سے اُن کی سیرت کا بیاں
ہو گیا میں دل سے شیدا شاہ ضیف اللہؒ کا

مرزا مظہر جانجاناںؒ کے مریدِ خاص تھے
پھر نہ ہو کیوں رتبہ اعلیٰ شاہ ضیف اللہؒ کا

شانِ حنیفی مظہری رنگت میں جب ظاہر ہوئی
ہو گیا جلوہ دوبالا شاہ ضیف اللہؒ کا

پڑ رہا ہے ہمنشیں پر نورِ محبوبِ ازل
واہ وا قلبِ مُصفّٰا شاہ ضیف اللہؒ کا

علم و عرفاں کی اشاعت سارے امروہہ میں کی
ہر طرف، ہر سُو ہے چرچا شاہ ضیف اللہؒ کا

عقل سے بالا ہے رفعت شاہ ضیف اللہؒ کی
"فہم سے اونچا ہے رتبہ شاہ ضیف اللہؒ کا"

علم روحانی کا مرکز کسٹکوئی کیوں کر نہ ہو
جب کہ یہ ٹھیرا محلہ شاہ ضیف اللہؒ کا

آگیا مجھ کو خیالِ عصرِ توحیدِ شہود
کھنچ گیا نظروں میں نقشہ شاہ ضیف اللہؒ کا

اک زمانے تک دیا ہے درسِ اسرار و رموز
مدح خواں ہے بچہ بچہ شاہ ضیف اللہؒ کا

اُس جگہ ہوتا ہے ہر دم رحمتِ حق کا نُزول
جس جگہ واقع ہے روضہ شاہ ضیف اللہؒ کا

اے فریدی اولیاء را می شناسند اولیاء
تجھ کو کیا معلوم رتبہ شاہ ضیف اللہؒ کا

یہ منقبت ۱۱ر دسمبر ۱۹۲۹ء کو لکھی گئی۔

حضرت شاہ قیام الدّین چشتی صابری
قُدِّس سِرُّہ

خوبیوں کا مجموعہ حضرتِ قیام الدّینؒ
باخدا و پُر جذبہ باجلال و بانمکین

اے خوشا زمانہ وہ جس میں تھے وہ فیض افشاں
ہو رہا تھا امروہہ رنگِ عشق سے رنگیں

کشفِ صدر کا عالم وہ تھا جس سے حیرت تھی
کہدیں باتوں باتوں میں باتیں وہ جو پنہاں تھیں

ازدیادِ اُلفت سے، ایک جان دو قالب
مولویِ امروہیؒ[1] اور میاں قیام الدینؒ

---

[1] حضرت مولانا سید احمد حسن محدث امروہیؒ

دل کہو اُسی دل کو جس میں پائے جاتے ہوں
جذبۂ نظام الدینؒ سوزشِ سعید الدینؒ

اپنے جدِّ امجد کے جانشیں ہیں اِن روزوں
شمعِ محفلِ آباد حضرتِ علاءالدینؒ

اے فریدیؔ وہ جلوے پھر یہاں نمایاں ہوں
رونقیں پلٹ آئیں بام و در ہوں نُور آگیں

یہ منقبت کتاب صیقلِ قلوب المعروف بہ خیالِ محبوب، مؤلفہ صوفی نُور اللہ صدیقی چشتی صابری عیش امروہوی مطبوعہ اپریل ۱۹۳۲ء میں شائع ہوئی۔

شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی قدس سرہ
کے مزار پر

علم کا ابرِ گہر بار اِسی خاک میں ہے
معرفت کا دُرِ شہوار اِسی خاک میں ہے

اپنے اَسلاف و اکابر کی مکمّل تصویر
عاشقِ سیّدِ ابرارؐ اِسی خاک میں ہے

قطبِ گنگوہیؒ و محمودِ حسنؒ کا دلبر
نازشِ قاسمؒ اسرار اسی خاک میں ہے

جس نے لاکھوں کو دیا درسِ یقین و عرفاں
وہ یقیں پاش و یقیں دار اِسی خاک میں ہے

جس نے قائم کیے صد نقشِ حیاتِ جاوید
دستِ قدرت کا وہ شہکار اسی خاک میں ہے

جس نے آباد رکھی بزمِ ولی اللّٰہیؒ
دیکھ وہ واقفِ اسرار اسی خاک میں ہے

کفر و باطل رہے ہر آن ہراساں جس سے
حق کا وہ شیرِ وہ جرّار اسی خاک میں ہے

جس نے توڑا تھا فرنگی کا غرورِ باطل
دیکھ وہ قافلہ سالار اسی خاک میں ہے

جس نے زنداں میں سُنا شورِ سلاسل ہر سو
حُرّیت کا وہ طلبگار اسی خاک میں ہے

اسعدؔ و ارشدؔ و اسجدؔ کا اولوالعزم پدر
سارے انسانوں کا غمخوار اسی خاک میں ہے

یہ منقبت ماہنامہ الحرم میرٹھ کے مدنی نمبر میں شائع ہوئی۔

شیخ الاسلام مولانا حسین احمدؒ مدنی

حسین احمد ہیں ملت کے نگہباں ہے شاہد اس پہ مکہ اور مدینہ
سکھاتے ہیں رموزِ علم و حکمت دکھاتے ہیں ترقیوں کا زینہ
امیر الہند والاسلام ہیں وہ رواں ہے اُن سے ملت کا سفینہ
نہاں ہے اُن کے دل میں حُبِّ مذہب پُراز سوزِ وطن ہے اُن کا سینہ
کہاں سے لائیں گے قوال غازی حسین احمد کا سا بے لوث سینہ
وہ سینہ جس کے ہر گوشے کے اندر نہاں ہے عشقِ سرکارِ مدینہؐ
وہ سینہ حریت کا ہے جو معدن وہ سینہ جو ہے جرأت کا خزینہ
وہ سینہ علم قرآں جس کے اندر وہ سینہ جو ہے رشکِ طورِ سینا
مری جانب سے یہ مظہر سے کہہ دو مجاہد سے نہیں اچھا یہ کینہ
جو ذاتیات پر ہو حملہ آور وہ دشمن ہے بڑا ابزدل کمینہ
ہرے ہیں دشمنوں کے دل میں اب تک جراحت ہائے بجنور و نگینہ
سمجھ میں بات یہ آتی نہیں ہے کہ مذہب کی حفاظت اور جینا

وہ جینا ہوٹلوں کی جس سے زینت | وہ جینا جو ہے زیبِ رائے سینا
ڈبونا خود ہی پھر الزام دینا | ڈبویا تم نے ملّت کا سفینہ
نہ ہو مذہب سے جس کو کچھ تعلق | ہے یکساں اُس کا مرنا اور جینا
فریدی مقطع کو مطلع بنا کر | انگوٹھی پر لگا دے یہ نگینہ

رَضِیْنَا قِسْمَۃَ الْجَبَّارِ فِیْنَا
لَنَا شَیْخٌ وَلِلْحُسَّادِ جِیْنَا

سے متعلق کلام

ترانۂ وطن

ہم وطن کے وطن ہمارا ہے

دلِ پُر عزم کا اک سہارا ہے — چشمِ پُر آرزو کا تارا ہے

اُس کی ہر ہر ادا دل آرا ہے — جان سے بھی ہمیں یہ پیارا ہے

ہم وطن کے وطن ہمارا ہے

یہی مولد ہے اور یہی مدفن — یہی ملجا ہے اور یہی مسکن

ہم ہیں گر بلبلیں تو یہ گلشن — ہم ہیں طالب یہ وادیِ ایمن

ہم وطن کے وطن ہمارا ہے

گوشۂ قلب میں نہاں ہے یہی — چشمِ مخمور سے عیاں ہے یہی

دلِ پُر شوق کا بیاں ہے یہی — وردِ ہر پیر و ہر جواں ہے یہی

ہم وطن کے وطن ہمارا ہے

ہم ہیں لیلیٰ وہ اپنا محمل ہے　　شمع ہیں ہم وہ اپنی محفل ہے

ہم ہیں رہرو وہ اپنی منزل ہے　　ہم ہیں کشتی وہ اپنا ساحل ہے

ہم وطن کے وطن ہمارا ہے

اے فریدیؔ نہ دیر کر اصلا　　وقت ہرگز نہیں تساہل کا

سونے والوں کو نیند سے چونکا　　گلشنِ ہند میں یہ نغمہ گا

ہم وطن کے وطن ہمارا ہے

یہ نظم ۷ اکتوبر ۱۹۳۱ء کو لکھی گئی۔

در مذمّتِ میکشی

شرابِ سرخ کی رنگینیاں قیامت ہیں
نظر فریب ہیں غارت گرِ متانت ہیں

جو میکدے سے نکلتے ہیں رات کو پی کر
وہ دن میں زیب دہِ محفلِ شرافت ہیں

وفورِ نشہ میں کہہ ڈالے رازہائے دل
جو ہوش آیا تو غرقِ یمِ ندامت ہیں

گوارا تھیں نہ جنھیں تلخیاں نصیحت کی
شرابِ تلخ سے اب وہ اسیرِ ذلّت ہیں

جو سرخ موجیں سبو میں تجھے نظر آئیں
یہ اشکہائے تمنّائے ملک و ملّت ہیں

رہینِ نشۂ مے، جذب و کیفِ انسانی
خطا معاف! بڑے آپ اہلِ غیرت ہیں

وزیدی سارے قدح خوار و بندگانِ مے
برائے اہلِ بصیرت محلِّ عبرت ہیں

یہ نظم ایک کتابچہ بعنوان "جامِ جمشید"، مؤلفہ بابو رام کرشن صاحب بی اے ایل ایل بی وکیل مطبوعہ مئی ۱۹۳۱ء میں چھپ چکی ہے جو کانگریس کمیٹی امروہہ کی طرف سے شائع ہوا تھا۔

ے جوانانِ وطن اے نونہالانِ وطن   اے خوش جمالانِ وطن اے گل عذارانِ وطن

وں تمھیں لپکا پڑا ہے بادۂ گلفام کا   کیوں پسند آیا ہے نظّارہ بلوریں جام کا

وں تمھیں ہے ساقی و صہبا سے خمخانے سے شوق   کیوں تمھیں ہے ساغر و مینا سے پیمانے سے شوق

لدرے سے ہوگئی ہے کیوں تمھیں دل بستگی   "ساقیا برخیز" کیوں رہتا ہے لب پر ہر گھڑی

کب سے تم کو مے نوشی کی عادت پڑ گئی   نال اِس کمبخت کی پیتے ہیں کب سے گڑ گئی

ب تک اپنی عمر بھٹّی پر گذارے جاؤگے   یاد رکھو اِس بلا نوشی میں مارے جاؤگے

ھیے مذہب کی رُو سے بھی تو نازیبا ہے یہ   بانیِ شر ہے فَساد و جنگ کا مَلجا ہے یہ

ہب اسلام ہو یا ہو طریقِ عیسوی   ہندو مت ہو، جین مسلک ہو کہ دینِ مُوسوی

ارے مذہب کہہ رہے ہیں یہ بآوازِ بلند   منھ لگانا بادہ کا اچھا نہیں اے ہوشمند

ں کے رگ پٹھے سے واقف ہے طبیبِ خُردبیں   پوچھ لو اس سے اگر کہنا مرا باور نہیں

ں جگر اور پھیپھڑے نالاں ہیں اس کے ہاتھ سے   سب قُوائے جسمیہ گریاں ہیں اس کے ہاتھ سے

یش خیمہ ہے یہی ہر اک مرض کے واسطے   دِق وسِل، خفقان وابستہ ہیں اِس کی ذات سے

اقتصادی حیثیت سے دیکھیے اس کو ذرا
اِس کا ہر قطرہ ہے آنسو دیدہ ہائے ہند

اِس کے ہر ہر جام میں پنہاں ہے روحِ آرزو
اِس کے ہر ہر خُم میں رکھا ہے غریبوں کا

اِس سے ہی طوقِ غلامی ہوگیا مضبوط اور
دورِ ساغر اصل میں ہے اپنی بدبختی کا

موجِ بحرِ بے کسی ہے ہند کو موجِ شراب
سیلِ مَے سے ہوگیا ہے ہند کا خانہ خر

بن گئی ہے مستقل لعنت یہ بھارت کے لیے
اِس کی عزت ہے تو ہے بھارت کی ذلّت کے

اِس کی تلخی ہے ہماری 'تلخ کامی' کا ثبوت
اِس کی گردش ہے ہماری بدنصیبی کا ثبو

از رہِ انصاف گر دیکھو شرابِ خام کو
آبروئے انساں میں اِس نے نہ چھوڑی نام

قابلِ عبرت ہوا اربابِ میخانہ کا حال
دُخترِ رز کے پیچھے کھو بیٹھے ہیں اپنا جان و

بال ہیں بکھرے ہوئے بجتی ہیں پیچھے تالیاں
بڑبڑاتے جاتے ہیں ہونٹوں پہ ہیں کچھ گا

ناچتے ہیں، کودتے ہیں، گالیاں بکتے ہیں یہ
روتے ہیں گہہ ہنستے ہیں سوئے فلک تکتے ہیں

مست ہونا چاہیئے پی کر شرابِ حریت
ہے شرابِ ظاہری خانہ خرابِ حریت

حُریت کی مَے کے متوالے ہیں رنج و غم سے دُور
نور ہے آنکھوں میں اُن کی اور ہے دل میں سُر

میکدہ ہندوستاں کا تا ابد باقی رہے
گردشِ تنظیم ہو اور دورِ آزادی ر

اے فریدی ساقیِ مطلق سے کر یہ التجا
ہو شرابِ حُریت سے نشۂ ہمت سوا

یہ نظم بھی 'جامِ جمشید' مؤلفہ بابو رام کرشن صاحب وکیل میں چھپ چکی ہے جسے کانگریس کمیٹی امروہہ نے شائع کیا تھا۔

آزادی

طرح : جب کہ آزادی کا جھنڈا ہند میں لہرائے گا

دیکھنا خونِ محبّانِ وطن رنگ لائے گا
چپّہ چپّہ ہند کا جنّت نشاں ہو جائے گا

موسمِ گُل میں رہے نالے جو بلبل کے یہی
درِ قفس کا دیکھ لینا خود بخود کھل جائے گا

گاندھی جی کو قید کرتے دم نہ سوچا یہ ذرا
اس گرفتاری سے شعلہ اور بھی بڑھ جائے گا

ہو گئے عباس طیب جی اسیرِ قیدِ غم
اس سے کیا سیلابِ تحریکِ وطن رک جائے گا

گر جواہر کو چھپایا ہے حدودِ جیل میں
اس سے اُن کا جوہرِ حبِ وطن کُھل جائے گا

لے لیا موتی اگر بھارت کی گودی سے تو کیا
ہند کے ساگر سے کوئی اور موتی آئے گا

مولوی عبدالحلیم و حفظِ رحماں کے سبب
مسلم خوابیدہ اک دم نیند سے اُٹھ جائے گا

جو کنواں کھودے گا اُس کے سامنے ہوگا کنواں
دھوکا دے گا جو کوئی وہ خود بھی دھوکا کھائے گا

کاٹھ کی ہانڈی بھلا دو بار چڑھتی ہے کہیں
آگ پر رکھتے ہی سب اُس کا بھرم کھل جائے گا

ناؤ کاغذ کی نہ ڈوبی آج تو ڈوبے گی کل
کیا چلائے گا اُسے اور کیا اُسے تیرائے گا

ہند کا ساکن مگر فیشن ہے انگلستان کا
یہ ترا طرزِ عمل انجامِ بد دکھلائے گا

دیسی کپڑے کو جُدا رکھے گا کب تک جسم سے
مانچسٹر سے بھلا کب تک کفن منگوائے گا

ڈال دے اک غلغلہ سا گنبدِ افلاک میں
چند روزہ زندگانی میں مزہ آجائے گا

ایک صاحب نے کہا مجھ سے دبے لہجے میں یہ
ہندوؤں کے ساتھ مل کر تم کو کیا مل جائے گا

یہ کہا برجستہ میں نے اُن سے اے مشفق مرے
آپ انگریزوں سے مل جائیں تو کیا مل جائے گا

اے فریدی روح میں اک تازگی آجائے گی
جب کہ آزادی کا جھنڈا ہند میں لہرائے گا

❁

بلبلِ باغِ وطن عشرت کا نغمہ گائے گا
جب کہ آزادی کا جھنڈا ہند میں لہرائے گا

ہندیوں کے چہرۂ غمگیں پہ رنگ آجائے گا
جب کہ آزادی کا جھنڈا ہند میں لہرائے گا

بچّہ بچّہ مست و سرشارِ وطن ہو جائے گا
جب کہ آزادی کا جھنڈا ہند میں لہرائے گا

ابرِ رحمت ہند کی ساری فضا پر چھائے گا
جب کہ آزادی کا جھنڈا ہند میں لہرائے گا

بن کے سورج آسمانِ ہند کو چمکائے گا
جب کہ آزادی کا جھنڈا ہند میں لہرائے گا

فکر اور چنتا کا دکھڑا دم میں دور ہو جائے گا
جب کہ آزادی کا جھنڈا ہند میں لہرائے گا

گنگا و جمنا میں سارا رنج و غم بہہ جائے گا
جب کہ آزادی کا جھنڈا ہند میں لہرائے گا

اپنی شوکت کا عجب زرّیں سمے دکھلائے گا
جب کہ آزادی کا جھنڈا ہند میں لہرائے گا

ہند کی قسمت کا تارا اوج پر آ جائے گا
جب کہ آزادی کا جھنڈا ہند میں لہرائے گا

ہندو و مسلم کے سر پر سائباں بن جائے گا
جب کہ آزادی کا جھنڈا ہند میں لہرائے گا

جوش میں آکر فریدیؔ نغمہ زن ہو جائے گا

جب کہ آزادی کا جھنڈا ہند میں لہرائے گا

مذکورہ دونوں غزلیں ٹاؤن ہال امروہہ کے مشاعرہ منعقدہ ، اراگست ۱۹۳۰ء میں پڑھی گئیں.
یہ مشاعرہ مولوی محمود احمد عباسی صاحب مؤرّخ امروہہ کے زیرِ صدارت ہوا تھا. منشی محمد شبیر خاں شبیرؔ
امروہوی نے اِسی مشاعرے میں یہ شعر پڑھا تھا ؎

یہ تو مٹّی بھی نہ چھوڑے گا دیارِ ہند کی

ہاتھ میں کاغذ کا پُرزا دے کے لمبا جائے گا

جشنِ آزادی

ریاضِ ہند میں آئی بہارِ آزادی
تجلّی ریز ہے ہر سو نگارِ آزادی

سروں پہ چھایا ہے ابرِ بہارِ آزادی
کلی کلی میں ہے بوئے نگارِ آزادی

بنایا قدرتِ مطلق نے جس کو جوہرِ لعل
وہی بنا ہے دُرِ شاہوارِ آزادی

وہ صدرِ بزمِ ادب یعنی حضرتِ آزاد
فزوں ہے جن کے سبب اعتبارِ آزادی

قسم یہ کھائی تھی رندوں نے عہدِ ماضی میں
بنا کے چھوڑیں گے بھارتؔ کو دارِ آزادی

یہ کیا کہا مری جاگیر ہے یہ مے خانہ
نہ پی کے اتنا بہک بادہ خوار آزادی

ہر ایک قوم کا حق ہے درونِ مے خانہ
بحکمِ ساقئ عالی وقار آزادی

فریدیؔ آیا ہے ساون میں جشنِ حریت
سُرور خیز ہے ابرِ بہار آزادی

مسلمانانِ ہند کی حالتِ زار

اسلام بذاتِ خود ندارد عیبے ہر عیب کہ ہست در مسلمانیِ ماست

مسلمِ ہند کچھ خبر بھی ہے سر پہ بادل کھڑے ہیں نکبت کے

تیرے فعلوں کا تھا یہی بدلہ کچھ تو آنسو بہا ندامت کے

تنگ ہے عرصۂ حیات بھی آج اتنے حملے ہوئے فلاکت کے

تجھ سے بدظن برادرانِ وطن تجھ سے بیزار رُکن دولت کے

کاسہ لیسی کا کیا ملا ثمرہ اور جُھک سامنے حکومت کے

رخنے ڈالے ہیں جس نے مذہب میں ٹکڑے جس نے کیے شریعت کے

شاردا بل کو پاس کر کے رہے دشمنِ دیں، حسودِ ملت کے

آج حج میں رکاوٹیں ڈالیں مدّعیوں نے امن و راحت کے

چاہتے ہیں حجاز پر قبضہ دشمن اسلام کی حکومت کے

غیر کا شکوہ کس زباں سے کریں ذمہ دار ہم ہیں اس مصیبت کے

کارنامے ہمیں نہیں معلوم اپنے اسلاف کی شجاعت کے

ہو گیا کم رواجِ علم و ہنر کر چکے محو نقش حکمت کے

باعثِ شرم ہے ہمیں صنعت ۔۔۔ چور ہیں جدّ و جہد و محنت کے
ہم میں باقی نہیں رہی غیرت ۔۔۔ ہم میں جوہر نہیں حمیّت کے
جا ہے مذہب رہے رہے نہ رہے ۔۔۔ ڈرتے ہیں نام سے سیاست کے
کھو کے ایماں خطاب مل جائے ۔۔۔ ایسے طالب ہوئے ہیں عزّت کے
ہوتی کیوں اس طرح ہوا خیزی ۔۔۔ معنی گر جانتے اُخوّت کے
آج گھر گھر سنائی دیتے ہیں ۔۔۔ جھگڑے رسموں کے اور بدعت کے
کفر کی چلتی ہیں مشین گنیں ۔۔۔ ووٹ پاس ہوتے ہیں ملامت کے
ہے تساہل کی گرم بازاری ۔۔۔ حوصلے پست اپنی ہمّت کے
نظر انداز کر دیے ہم نے ۔۔۔ سب اصول اور گُر تجارت کے
اُمرا کی عجیب حالت ہے ۔۔۔ مست ہیں نشے میں امارت کے
بے نواؤں سے کچھ نہیں مطلب ۔۔۔ ٹھاٹھ باقی رہیں ریاست کے
علمی باتوں میں جی نہیں لگتا ۔۔۔ خوگر اتنے ہوئے ہیں غیبت کے
مٹ رہے ہیں شرابِ ظاہر پہ ۔۔۔ ہو کے منکر شرابِ جنّت کے
جان و ایمان ہیں زنانِ نشاط ۔۔۔ اتنے مغلوب ہیں طبیعت کے
اب کہاں تک گنائے جاؤں میں ۔۔۔ کارنامے وفورِ غفلت کے
اے فریدی مری نظر میں تو ۔۔۔ ہیں یہ آثار سب قیامت کے

یہ نظم ۱۲ جون ۱۹۳۲ء کو مشاعرہ منعقدہ محلہ قریشی میں پڑھی گئی۔

گلہائے عقیدت

امیر المجاہدین مولانا عطاء اللہ شاہ بخاریؒ شیرِ پنجاب

کا امروہہ میں استقبال

بے انتہا ہیں آپ کی خدماتِ ملک و دیں
ہیں بے شبہ جناب امیر المجاہدیں

ظاہر ہیں سارے ہندو و مسلم کے رُوبرو
پوشیدہ کب ہیں آپ نے قربانیاں جو دیں

ہے سارا ملک آپ کی کوشش کا معترف
اُلفت جناب کی ہوئی ہر دل میں جاگزیں

ق
یوپی، بہار، صوبۂ پنجاب کے مقام
بنگال اور احاطۂ بمبئی کی سرزمیں

غرضیکہ سارا ہند ہے ممنون آپ کا
ہر دل میں اعترافِ مساعی ہے جاگزیں

قیدِ فرنگ اُس پہ یہ طرّہ علیل تھے
صبر و رضا سے آپ نے سب سختیاں سہیں

امروہہ والے آپ کے مشتاقِ دید تھے
شکرِ خدا کہ حسرتیں آزاد ہو گئیں

اللہ رے مرتبہ کہ بفیضِ قدوم پاک
سرمایہ دارِ ناز ہے امروہہ کی زمیں

گلہائے اشتیاقِ فریدیؔ خوش نوا
کیجے قبول اے چمن آرائے ملک و دیں

یہ اشعار ۱۲ اپریل ۱۹۳۱ء کو لکھے گئے اور فریم کرا کے اہل امروہہ کی طرف سے خدمتِ بخاری میں پیش ہوئے تھے اور دو صاحبوں نے پڑھ کر سنائے تھے۔

اپنے مدرسے کی تعریف میں

(مڈل اسکول، تحصیل امروہہ)

ع۔ دُرِ مقصود عطا کر دے خدائے اکبر

بسکہ اندوہ سے ممکن نہیں دنیا میں مفر
اِس لیے بحرِ تفکّر میں ہوا میرا گذر

ساتھیوں کی کبھی فرقت کا خیال آتا تھا
جو ستاتا تھا بہت دل کو مرے رہ رہ کر

کامیابی کی کبھی کرتا تھا خالق سے دعا
امتحاں کا کبھی ہوتا تھا مجھے خوف و خطر

کبھی تھا دوری سے اُستادوں کی خاطر غمگین
کبھی میں کرتا تھا دل تھام کے ماضی پہ نظر

آسماں سے کبھی شکوہ تھا ستم کا مجھ کو
آگ دل کی میں بجھاتا تھا کبھی رو رو کر

اتنے میں عظمت و مسعود نے یہ آکے کہا
جلسۂ درجۂ ہفتم کی بھی ہے تم کو خبر؟

عرض کی میں نے کہ اے میرے محبّانِ شفیق
ہے یہ معلوم مجھے آج ہی جلسہ ہے مگر

خویش و بیگانے کو میں بھول گیا تھا بالکل
فکرِ انجام نے ایسا کیا مجھ کو مضطر

الغرض لے گئے ہمراہ مجھے جلسے میں
غم و اندوہ کا جاتا رہا سب دل سے اثر

شاد دل ہو گیا اور کھِل گیا مثلِ غنچہ
جا کے جلسے میں نظر آیا انوکھا منظر

زُمرہ استادوں کا بیٹھا ہے بصد عزّ و جلال
صدر ہیں مولوی عبد صمد نیک سیَر

ایسے استاد زمانے میں کہاں ملتے ہیں — منبعِ جود و عطا فیض و سخا کے مصدر

حلم و انصاف و تدبّر و مروّت و ریاض — ذات میں جن کی ہیں موجود یہ سارے جوہر

قابلیت وہ ریاضی میں ہے اعلیٰ جن کی — سارے عالم کے محاسب بھی ہیں جس سے ششدر

رونق افروز ہیں اک سمت جنابِ ہربنس — ہسٹری، جاگرفی کے جو ہیں اعلیٰ ٹیچر

باوجودیکہ ہر اک وصف و صفت ہے موجود — انکساری کی بھی حد ہوگئی اُن کے اندر

طرزِ تعلیم کا شہرہ ہے جہاں میں جن کے — مانے جاتے ہیں جو افضل و بزرگ و برتر

اشرفی لعل ہیں اک سمت بصد جاہ و جلال — جن کے ادنیٰ سے یہ خدام ہیں اقبال و ظفر

ان کا احسان نہ بھولوں گا میں تا مرگ کبھی — سایۂ لطف و کرم جن کا ہے میرے سر پر

عقل حیران ہے کیا ان کی کرے مدح و صفت — فکر یہ مدہوش ہے ظاہر کرے کیا کیا جوہر

اک طرف بیٹھے ہیں پنڈت جی برج کے ساتھ — جن کے پرکاش کی شوبھا ہے بیاں سے باہر

جن کی بُدّھی کی نہیں ملتی ہے سیما مجھ کو — ہے یہ موزوں کہ لقب ان کا ہو ودیا ساگر

سارے سنسار کو معلوم ہے جن کی پدوی — مہا ودوان کیا کرتے ہیں جن کا آدر

عرض ان ساقیوں کی خدمتِ والا میں ہے یہ — مجھ کو بھی دو کوئی للہ چھلکتا ساغر

دستِ اقدس کو اُٹھا کر یہ دعا کیجیے گا — اے خدا مدرسے کو بخش تو اقبال و ظفر

سب کے صدقے میں ہو امداد کی خواہش پوری
دُرِ مقصود عطا کر دے خدائے اکبر

یہ نظم ۲۶ فروری ۱۹۲۷ء کو لکھی گئی۔

دارالعلوم دیوبند

ساقیِ دہلی[۱] کے مستوں نے بارضِ دیوبند — جب رکھی بنیادِ میخانہ بطورِ یادگار

دَور دَورہ ساغرِ صہبائے طیبہ کا ہوا — جرعہ نوشانِ ازل آئے قطار اندر قطار

قاسمؒ و محمودؒ و انورؒ نے لُنڈھائے خُم کے خُم — اپنی وسعت کے مطابق پی گیا ہر بادہ خوار

آج بھی ساقی کی چشمِ خاص کی تاثیر دیکھ — بادۂ مغرب کے متوالوں کا ٹوٹا ہے خمار

آج بھی آفاق میں اِس میکدے کی دھوم ہے — چار جانب سے سمٹ کر آ رہے ہیں بادہ خوار

"در کفے جامِ شریعت در کفے سندانِ عشق" — یہ خصوصیت یہاں ہر فرد میں ہے آشکار

اِس کے ہر میخوار کو پیرِ مغاں کا حکم ہے — "باخدا دیوانہ باش و با محمدؐ ہوشیار"

کاش اے "ساقیِ دہلی" تو بھی آکر دیکھتا — اپنے میخانہ کی رونق، اپنے رندوں کی بہار

تیرا دورِ جام، دورِ چرخ سے بھی تیز تر — تیرا مستقبل ترے ماضی سے بڑھ کر شاندار

یا الٰہی حشر تک باقی رہے یہ میکدہ — دور میں ساغر رہے تا گردشِ لیل و نہار

۱؎ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ

اس کی ہر ہر اینٹ میں تاریخِ ماضی ثبت ہے — ہند میں بزمِ ولی اللہ کی ہے یہ واحد یادگار

مسلمِ ہندی اگرچہ مفلس و نادار ہے — پھر بھی اس سرمایۂ ملت کا ہے سرمایہ دار

شوکتیں جب دہلیِ مرحوم کی آتی ہیں یاد — دیکھ کر اس کو بہل جاتا ہے قلبِ سوگوار

جن کی کوشش سے چلا ہے دورِ صہبائے حجاز — نور سے معمور کر دے اے خدا اُن کے مزار

اے فریدی تو بھی ہو ساغر بکف مینا بدوش

طالبِ جوشِ عمل ہے ساقیِ ابرِ بہار

یہ نظم دارالعلوم دیوبند کے جشنِ صد سالہ میں پڑھی گئی۔

مدرسہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ

(جہاں حضرت فریدیؒ شیخ الحدیث بھی رہے)

ساقیِ عرفاں پلا مجھ کو وہ جامِ خوشگوار
تا ابد باقی رہے جس کا مرے سر میں خُمار

نّت الفردوس آجائے نظر جس کے سبب
اور رہے پیشِ نظر صحنِ بہشتِ لالہ زار

نقشہ کھنچ جائے مِری نظروں میں بیتُ اللہ کا
سامنے آجائے سردارِ دو عالمؐ کا دیار

ہو تصوّر مجھ کو دربارِ رسالت کا نصیب
جس جگہ حلقہ کیے بیٹھے ہوں اصحابِ کبارؓ

ینی اِن آنکھوں سے دیکھوں منظرِ خیر القرون
جس میں تھا ہر ایک مسلم اہلِ دل، ایماندار

منزلِ صبر و تحمّل میں رہوں ثابت قدم
پائے اِستقلال کو حاصل ہو ایسا اُستوار

دور بینی، دُور اندیشی وہ حاصل ہو مجھے
سوچ لوں ہر کام کے آغاز کا انجامِ کار

باغِ ظاہر میں تو قُمری کہتی ہے حق سِرّہٗ
یاں بھی ہے قالَ رسولُ اللہ، یَہیم بار بار

باغِ ظاہر میں جو بُلبل ہے گلوں پر شیفتہ
یاں بھی ہر اک فرد ہے حکمت کے پھولوں پر نثار

جھومتا ہے کوئی طالب گر وفورِ شوق سے
میں سمجھتا ہوں کہ گویا ہِل رہی ہے شاخسار

نصب ہیں گر باغِ ظاہر میں قرینے سے نہال
یاں بھی سب طُلّاب بیٹھے ہیں قطار اندر قطا

رٹ رہا ہے کوئی لڑکا صفحۂ میزانِ صرف
فَعَلَ فَعَلا سے نہیں اُس کی زباں کو ہے قرا

پڑھ رہا ہے کوئی ابوابِ گلستاں بوستاں
دیکھنا ہے شیخ سعدیؒ کی عبارت کی بہا

اک جگہ پر ہو رہا ہے درسِ تفسیر و حدیث
حل جہاں پر ہو رہے ہیں نکتہ ہائے بے شما

مدرسہ کے بانیِ اوّل کا بتلاؤں میں نام؟
حضرتِ نانوتویؒ[1] مسکن کُنِ دار القرا

قاسمِ ثانیؒ[2] نے پھر اس میں لگائے چار چاند
مرکزِ انوارِ ربّانی بنے اُن کا مزا

صدر یاں کے جانشینِ قاسمِ ثانی[3] ہیں اب
جن کے دم سے ہو گئیں دیواریں یاں کی اُستوا

ماہرِ علمِ شریعت، فاضلِ دینِ متیں
نکتہ فہم و دُور بین و باکمال و ذی وقا

ظلِّ رحمانی رہے اُن کا سرِ امروہہ پر
عمرِ خضری بخش دے اُن کو خدائے کردگا

حافظ و قاری و حاجی، عالمِ شرعِ مُبیں
آپ اُستادِ عرب ہیں، ہے عجم کا کیا شما

جس کو اقصائے جہاں میں فہمِ قرآں پر ہو ناز
اُن سے سُن جائے وہ تفسیرِ کلامِ کردگا

مہتمم، طُلّاب، نائب، سب کے سب ہیں اُن سے خوش
اُن کا خادم اُن سے راضی، کیا صغار و کیا کبا

۱؎ قاسم العلوم والخیرات حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ ۲؎ حضرت مولانا سیّد احمد حسن محدث امروہیؒ ۳؎ حضرت مولانا حافظ قاری عبدالرحمٰن صدیقی مفسر امروہی صدر المدرسین

ہر کوئی مدح و ثنا میں اُن کی ہے رطب اللسان
کیوں نہ ہو، ہے نام تک اُن کا عزیزِ[1] کردگار

ہیں شریکِ جلسہ وہ ممتاز و اعلیٰ ہستیاں
خاکِ امروہہ کو تھا مدت سے جن کا انتظار

اے فریدی اب دعا پر ختم کر اپنا کلام
تاکجا یہ خامہ فرسائی بجائے اختصار

یاالٰہ العالمین در صدقۂ شاہِ رسلؐ
"تا معاد این مدرسہ را قائم و پائندہ دار"

---

[1] حضرت مولانا حافظ قاری عزیز الحق عباسیؒ امروہی۔

یہ نظم ۲ر جنوری ۱۹۳۰ء کو لکھی گئی۔ پوری نظم ۴۸ اشعار پر مشتمل تھی۔ ایک شکستہ و دریدہ کاغذ سے صرف ۲۶ اشعار نقل ہو سکے۔

بچّوں کا مدرسہ

مدرسہ بچّوں کا ہے کتنا دل افزا دیکھو　　آکے اک بار ذرا اِس کو خدارا دیکھو

درس قرآں کا ہوتا ہے یہاں صبح و مسا　　حفظ و تجوید کی کوشش کا نتیجہ دیکھو

اپنے بچوں کو یہاں لاکے بٹھاؤ تو سہی　　چھ مہینے ہی میں پھر ناظرہ پڑھنا دیکھو

خوشخطی اور کتابت بھی سکھاتے ہیں یہاں　　موتیوں کا ذرا لڑیوں میں پرونا دیکھو

اک فیض گاہِ عام ہے بچّوں کا مدرسہ　　اک رحمتِ مدام ہے بچوں کا مدرسہ

دلّی میں نیک نام ہے بچوں کا مدرسہ　　کس درجہ خوش نظام ہے بچوں کا مدرسہ

اللہ کی عنایتیں ہیں اِس کے حال پر　　سرسبز صبح و شام ہے بچوں کا مدرسہ

تعلیم اس میں ہوتی ہے قرآنِ پاک کی　　اک مذہبی مقام ہے بچوں کا مدرسہ

بچوں کو اپنے گھر سے بھی زیادہ عزیز ہے　　دل چسپ اک مقام ہے بچوں کا مدرسہ

اللہ رکھے حضرتِ ناظم[1] کو بامراد　　اُن کے عمل کا نام ہے بچوں کا مدرسہ

---

[1] یہ مدرسہ حافظ قاری محمد یعقوب صاحب ساکن محلہ گھیر مناف امروہہ نے دہلی میں کھولا تھا۔ اس نظم کے صرف چند اشعار دستیاب ہو سکے۔

بعض مخلصِ عقیدتؔ مند

حضراتؔ کے لیے دعائیہ اشعار

فانی بدایونی کی وفات پر

فانی کا جو خلوص تھا وہ اب یہاں کہاں
اللہ بخشے اُس کی سی وہ خوبیاں کہاں
یادش بخیر محفلِ قومی کا صدر تھا
پائیں گے اب وہ خیرِ مجسّم یہاں کہاں
فانی کی یادگار ہر اک بزمِ دل میں ہے
قائم ہے اُس کا نقشِ محبّت کہاں کہاں
اُس پیکرِ خلوص و محبّت کو دفعۃً
لے کر گئی ہے زندگیِ جاوداں کہاں
فانی کی 'باقیات' گلِ صد بہار ہیں
اِس گلشنِ دوام میں رنگِ خزاں کہاں
آتی ہے یاد فانیِ مرحوم کی مجھے
اُس کا سا سادہ شعر، وہ لطفِ بیاں کہاں
فانی کے ساتھ دَورِ طرب بھی گزر گیا
اب وہ فریدؔی طبع کی جولانیاں کہاں

سیّد انیس الدّین احمد رضوی مرحوم

(۱)

آن چراغِ بزمِ دل سیّد انیس الدّین — سُوے جنّت الماویٰ رفت از رہِ تمکین
محفلِ سخن صد حیف شد ز سرِ جان خالی — عالمے بہ رنجِ دل خاک بر سرِ غمگین

(۲)

انیس الدّیں، انیسِ ہمنوایاں — چراغِ بزمِ اُلفت شمعِ احساں
مزے خلدِ بریں کے لوٹتا ہے — نہیں بھایا اُسے گل زارِ امکاں

(۳)

وہ زیبِ مسندِ تمکیں نہیں ہے — سراپا گُل، بہار آگیں نہیں ہے
بھری محفل میں نظریں ڈھونڈتی ہیں — سبھی ہیں اک انیس الدّیں نہیں ہے

(۴)

انیس الدین اے خوبی کے پیکر　　شمیم باغِ ابنؒ، ابنِ حیدرؓ
تمھاری منتظر ہے ساری محفل　　چلے آؤ ’’دُرِ مقصود‘‘ لے کر

(۵)

تُربتِ مرحوم پر ہوتا ہے جب میرا گذر　　منظرِ رحمت نظر کے سامنے آجائے ہے
زیرِ پائے بدرِ چشتیؒ دیکھ کر دل نے کہا　　’’یہ نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے‘‘

یہ قطعات سالانہ مجلس منقبت منعقدہ ۱۶؍ ذی الحجہ ۱۳۷۱ھ / ۷؍ ستمبر ۱۹۵۲ء کے لیے لکھے گئے اور ’’درِ مقصود‘‘ کے شمارہ ۳۶؍ ذی الحجہ ۱۳۷۲ھ / اگست ۱۹۵۳ء میں شائع ہوئے۔

انیسِ دلِ خستہ، فردِ زمانہ
سوئے باغِ جنت ہوا ہے روانہ

ہوا راس آئی نہ اُس کو یہاں کی
ہمیشہ رہا رنج و غم کا نشانہ

رہا مضطرب طائرِ روح اُس کا
بالآخر ملا خُلد کا آشیانہ

شہِ بدر چشتیؒ کے قدموں کے نیچے
جگہ مل گئی، تھا مقدر شہانہ

بہت یاد آتا ہے اے قلبِ محزوں
وہ دریائے حکمت کا دُرِّ یگانہ

یہ ادنیٰ سی توصیف ہے اُس کی ہمدم
نظر ساقیانہ ، ادا میکشانہ

تھی سرگرمیِ بزم جس کی بدولت
ہوا نذرِ نسیاں وہ رنگیں فسانہ

ابھی آستانے پہ تھا نغمہ پیرا
ابھی سو گیا شاعرِ آستانہ

کہوں میں جو خوابِ عدم سے وہ جاگے
'ذرا پھر سُنانا وہ دلکش ترانہ'

دعا ہے تری قبر پہ سایہ گُستر
سدا ابرِ رحمت کا ہو شامیانہ

فریدی بھلا اب کہاں لطفِ محفل
اُٹھا جب کہ محفل سے فردِ یگانہ

یہ اشعار "درِ مقصود" کے "انیس نمبر" شمارہ ۳۷ ذی الحجہ ۱۳۷۳ھ / اگست ۱۹۵۴ء میں شائع ہوئے۔

جوانِ صالح و عالم، ادیبِ خوش تقریر
چراغِ خانۂ احمد امینِ بانو قبیر

وہ جس کی بات میں اک بات ہوتی ہے پیدا
وہ جس کے طرزِ تکلّم میں ہے عجب تاثیر

جسے حدیث و فقہ میں ہے اک یدِ طولیٰ
ہے جس کی نوکِ زباں پر قرآن کی تفسیر

مناظرہ میں جسے دستگاہِ عالی ہے
مکالمہ میں جو رکھتا نہیں ہے اپنی نظیر

کمالِ ذہن سے محسودِ روزگار ہے جو
جوان عمر ہے لیکن ہے عقل و فہم میں پیر

وہ جس کے دوست ہیں خوش اور عزیز راضی ہیں
وہ جس کے خُلق کے مدّاح سب جوان و پیر

ادیب ایسا مضامین جس کے گرد نثار
خطیب ایسا دُھواں دھار جس کی ہے تقریر

وہ جس کے وقتِ خطابت زباں سے پھول جھڑیں
وہ جس کی سلکِ گہر سے بھی خوشنما تقریر

ہے اُس کا مشغلہ تالیفِ نسخۂ ہر قلب
وہ دشمنوں کی بھی کرتا نہیں کبھی تحقیر

فریدیؔ صحبتِ صالح ترا کند صالح
کہ ہم نشینی میں اچھوں کی ہے بڑی تاثیر

یہ اشعار ابوذر مولانا سید محمد صالح رضوی صاحب کی شادی کے موقع پر کہے گئے۔

عجب شان میں دکھاتا ہے سرِ معشوق پر سہرا
پیاپے دے رہا ہے عیش و عشرت کی خبر سہرا

خلیل اللہ کی سنّت ادا کی ماہِ ذی الحج میں
اِسی باعث بھلا لگتا ہے تجھ کو سر بسر سہرا

پروئے اس طرح سے چاندنی کے پھول سہرے میں
شبِ مہتاب میں ثابت ہوا رشکِ قمر سہرا

خدا رکھے پھلے پھولے تر و تازہ رہے دائم
نہالِ حسن و خوبی کا ہے اک تازہ ثمر سہرا

ہزاروں اس سے کلیاں کھل گئیں اُمّیدِ ارماں کی
برائے غنچۂ دل ہو گیا بادِ سحر سہرا

نگاہیں اہلِ محفل کی ضرور اس پر گئی ہوں گی
کہ بے باکی سے کیونکر چڑھ گیا نوشہ کے سر سہرا

دعائیں کی تھیں جو مقصد وری کی سب عزیزوں نے
تو بن کر آیا ہے اُن کی دعاؤں کا اثر سہرا

فریدی تو نے کیا سہرا لکھا ہے خوشنما زیبا
بندھا جس کے سبب مقبولیت کا تیرے سر سہرا

نہیں سہرے کی حاجت اس کو ہرگز بزمِ شادی میں　　بندھا ہو جس کے سر پر علم و فضل و عقل کا سہرا

باغبانِ علم سے کہہ دیجیے　　پھول لائے علم و فن کے گوندھ کر
علم زیور ہے دلہن کے واسطے　　علم دولہا کے لیے ہے زیبِ سر

ارشادِ مصطفیٰؐ ہے اَوْلِمْ وَلَوْ بِشَاۃٍ
ارشادِ مصطفیٰؐ کی تکمیل ہے ولیمہ

کسی کے دم سے ہوتی ہے دوبالا رونقِ خانہ　　اسی باعث تو کہلاتی ہے شادی خانہ آبادی

مکتبِ تقی[1] کا ہے کتنا خوش ادا سہرا
دل نواز و دل آرا، مثلِ دلربا سہرا

لختِ دل کا ہے سہرا جانِ دل نہ کیوں سمجھیں
نورِ چشم ہے سہرا دل کی ہے ضیا سہرا

کس قدر ہیں خوش ماں باپ آج فرطِ عشرت سے
بر سرِ تقی دیکھا جب کہ خوشنما سہرا

---

[1] تقی احمد رضوی ابن رضی احمد رضوی ساکن علی جان منزل محلہ قریشی امروہہ (مقیم حال کراچی) جن کی والدہ حضرت فریدیؒ کی بھانجی ہیں۔

باکمالِ رعنائی بن گیا عزیزِ[1] جاں
خوشنما، حیاتِ[2] افزا، شانِ[3] کبریا سہرا

وضع دار ہے اتنا اور ہے خلیق[4] ایسا
بزم میں تواضع سے کتنا جھک گیا سہرا

آنکھ سے نظر آیا فیضِ ظلِّ[5] رحمانی
نُور بن کے چہرے پر جب کہ چھا گیا سہرا

کہتی ہیں دعا دے کر تجھ کو دادی و نانی
ہم اسی طرح دیکھیں تیرے بیاہ کا سہرا

متّقی[6] سے یوں بولی اک کلی مسرت کی
تیرے سر پہ بھی پیارے ہوگا پھول سا سہرا

۱؎ عزیز احمد نظامی (نانا) ۲؎ حیات بی بی (خالہ) ۳؎ شان بی بی (خالہ)
۴؎ خلیق احمد نظامی (ماموں) ۵؎ ظلّ احمد نظامی (ماموں) ۶؎ متّقی احمد (برادر خورد نقی احمد)

جس کو دے خدا توفیق[1] اُس کو ہی میسر ہو
بزمِ عیش و شادی میں سر پہ باندھنا سہرا

کامیاب ہستی ہیں تو رہے سدا پیارے
با زبانِ خاموشی کرتا ہے دعا سہرا

ہے دعا فریدی کی خالقِ دو عالم سے
کامیابیوں کا ہو تیرے سَر سدا سہرا

---

[1] توفیق احمد نظامی (دماموں)

دعاء

شجاعت علی خاں فرزند مجاہد علی خاں مرحوم محلّہ قاضی زادہ امروہہ کے عقدِ مسنون کی تقریب میں

صد شکر شجاعت کے دل نے ساعت یہ خوشی کی پائی ہے
گلزارِ دروں میں بادِ صبا پیغامِ مسرّت لائی ہے

آباد رہیں دلشاد رہیں، گھُل مِل کے رہیں دولھا دلہن
یہ ایک دعاے فریدؔی ہے، بے ساختہ لب پر آئی ہے

(۱۲ر نومبر ۱۹۷۹ء)

گلہائے اخلاص

بہ تقریب شادی خانہ آبادی ڈاکٹر سید محمد مُطّلِب جعفری فرزند اکبر حضرت میاں شاہ معین الدّین چشتی عرف بابو میاںؒ مرحوم

پُر مرادوں سے ہے دامانِ محمد مطّلب
بامسرت ہے شبستانِ محمّد مطّلب

حسن سیرت حسن کردار و عمل کے ساتھ ساتھ
دل رُبا ہے روئے تابانِ محمّد مطّلب

آگئی چشمِ کرم سے اور اُن میں تازگی
ہے گلوں کے دل پہ احسانِ محمّد مطّلب

دلنوازی، دل نشینی، دل کشی کو ہے فروغ
بن کے دولھا بڑھ گئی شانِ محمّد مطّلب

پھول ہیں اس میں مسرت کے تو کلیاں لطف کی
ہے عجب دلکش گلستانِ محمّد مطّلب

باغ عضد الدین میں آئی ہے اک تازہ بہار
گل بداماں ہیں دل و جانِ محمّد مطّلب

اقربا شاداں رہیں، ماں باپ کا سایہ رہے
پورا ہو ہر ایک ارمانِ محمّد مطّلب

رشتۂ عقدِ مسرت اے خدا دائم رہے
پختہ تر ہو عہد و پیمانِ محمّد مطّلب

لے کے آیا ہوں فریدی میں بھی گلہائے خلوص
کاش ہو جائیں یہ شایانِ محمّد مطّلب

(گلدستۂ تہنیت "تزئین حیات" مرتبہ محمد احمد بقا
مطبوعہ ۳ فروری ۱۹۷۹ء / ۵ ربیع الاوّل ۱۳۹۸ھ)

نویدِ مسرّت

ہوئی جلوہ آرا ادائے مسرّت ... مسرّت بنی رہنمائے مسرّت
مسرّت کا دل مطلب کے لیے ہے ... دلِ مطلّب ہے برائے مسرّت
مشیّت کو منظور تھا یہ ازل سے ... میاں موج کا گھر بسائے مسرّت
مسرّت مسرّت، محبّت محبّت ... محبّت ہے نغمہ سرائے مسرّت
خلوص و صداقت کے موتی ٹکے ہیں ... بڑی قیمتی ہے رِدائے مسرّت
مسرّت سے ہے زندگی کی محبّت ... محبّت ہے نغمہ سرائے مسرّت
رہے پُر مرادوں سے دولوں کا دامن ... جیے مطلّب، عمر پائے مسرّت
رہیں دولھا دلہن کے ماں باپ شاداں ... پئے اقربا راس آئے مسرّت

میاں مطلّب تم کو شادی مبارک
فریدؔی کہو بر بنائے مسرّت

(گلدستہ "تزئین حیات" مرتبہ محمد احمد بقا ایڈوکیٹ
۳ فروری ۱۹۷۹ء / ۵ ربیع الاوّل ۱۳۹۸ھ)

سُہیلِ سہمی جب تالیف کی منظور احمد نے — ہوئے موقوف سارے حملہ ہائے طعنِ الزامی

مساوات اور اُخوت کا سبق اسلام دیتا ہے — تفاخُر باپ دادا پر نہیں تعلیمِ اسلامی

مسلماں کے لیے سب اَسْود و احمر برابر ہیں — نہیں اسلام میں کچھ امتیازِ ہندی و شامی

اگر ہے طالبِ توحید بن جا عشق کا بندہ — نہ ہو محوِ نسب، کر یاد قولِ حضرتِ جامی

فریدی فکر مجھ کو جب ہوئی سالِ طباعت کی — کہا اک دوست نے میرے لکھو "تاریخِ اسلامی"

۱۳۵۳ھ

کتاب سہیل سہمی، حاجی شیخ ظفر احمد صاحب آنریری مجسٹریٹ و رئیس امروہہ ساکن محلہ بچدر
کے فرزند شیخ منظور احمد صاحب نے تالیف کی تھی۔ یہ قطعہ تاریخ مصباح احمد صاحب صدیقی
ساکن محلہ گھیر مناف امروہہ سے حاصل ہوا۔

❀

پیکرِ صدق و مروّت ہیں وقارالاسلام
مطلعِ صبحِ سعادت ہیں وقارالاسلام

حج کیے روضۂ اقدس کے نظارے بھی کیے
واقعی صاحبِ قسمت ہیں وقارالاسلام

اپنے کنبوں کے لیے، اپنے عزیزوں کے لیے
باعثِ عزّت و عظمت ہیں وقارالاسلام

للّٰہ الحمد کہ نوشاہ بصد شان بنے
موجبِ فرحت و بہجت ہیں وقارالاسلام

ایک شکستہ کاغذ پر پنسل سے لکھے ہوئے یہ چند اشعار ملے۔ یہ تہنیت ابھی نامکمل ہے۔

محمدؐ حنیف آج دولہا بنے ہیں — پیامِ مسرّت چلا آرہا ہے

مبارک مبارک، سلامت سلامت — زباں پر ہر اک شخص کی آرہا ہے

بہار آگئی باغِ یونس میں اک دم — ہر اک غنچۂ دل کا کھلا جارہا ہے

عظیم حق تعالیٰ کا ہے یہ بھی احساں — نشاط و خوشی کا سماں چھارہا ہے

رہیں دولہا دلہن بصد لطف و راحت — زباں پر یہی بار بار آرہا ہے

فریدی لکھو چند اشعار تم بھی

تقاضا یہ دل کا چلا آرہا ہے

بمناسبتِ عقدِ مسنون حافظ محمد حنیف فرزند حافظ محمد یونس صدیقی ساکن امروہہ

دستِ قدرت کی عطا....

پیکرِ صدق و صفا تھے حضرتِ مفتی نسیمؒ
جوہرِ حلم و حیا، تھے حضرتِ مفتی نسیمؒ

داد و دانش، علم و حکمت میں فریدِ روزگار
سب میں تھے، سب سے جدا تھے حضرتِ مفتی نسیمؒ

بےکس و مظلوم کے ہمدرد و مشفق غمگسار
مہر و شفقت کی رِدا تھے حضرتِ مفتی نسیمؒ

اُن کے در سے کوئی بھی خالی نہ جاتا تھا کبھی
منبعِ جود و سخا تھے، حضرتِ مفتی نسیمؒ

مہربان و دلنواز اور شاعرِ عالی وقار
دستِ قدرت کی عطا تھے حضرتِ مفتی نسیمؒ

ادنیٰ و اعلیٰ پہ بے تخصیص تھا فیضِ عمیم
ذاتِ حق کا آئینہ تھے حضرتِ مفتی نسیمؒ

اُن کے اوصافِ حمیدہ کا بیاں کیا ہو سکے
واقعی حق آشنا تھے حضرتِ مفتی نسیمؒ

اہلِ امروہہ رہیں گے اُن کے ممنونِ کرم
ایسی رحمت کی گھٹا تھے حضرتِ مفتی نسیمؒ

اُن کے عرفان و عمل کا نور تھا چھایا ہوا
رحمتِ حق کی ضیا تھے حضرتِ مفتی نسیمؒ

نورؔ امروہوی
ڈائریکٹر النور انٹرنیشنل
۸۳۱۴۵۱، ڈیلس ٹیکساس (یو۔ایس۔اے)

P.O.Box 831451.Richardson, Texas 75083 U.S.A.
Tel: 214-597-3423 Fax:972-699-3675
E.mail: alnooriternational @ hotmail.com